نور و بشر

افادات

شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر مدظلہ

مرتب — فیاض احمد خان سواتی

ناشر

مکتبہ عکاظ دیوبند (یوپی)

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحىٰ إِلَيَّ (القرآن)

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الحدیث)

افادات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ

مرتب

محمد فیاض خان سواتی

ناشر

مکتبہ عکاظ دیوبند ۲۴۷۵۵۴

نام کتاب : نور و بشر

افادات : شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ العالی

مرتب : محمد فیاض خان سواتی

باہتمام : شمشیر احمد قاسمی

ناشر : مکتبہ عکاظ دیوبند

ملنے کے پتے

(۱) نعیمیہ بکڈپو دیوبند

(۲) دار الکتاب دیوبند

(۳) مکتبہ مدنیہ دیوبند

(۴) مدنی کتب خانہ خواجہ بخش دیوبند

(۵) القاسمی بکڈپو مدرسہ سراج العلوم بھیونڈی ۴۲۱۳۰۲

(۶) مکتبہ محمودیہ نزد ہندوستانی مسجد بھیونڈی

(۷) الحق بکڈپو ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی ۱۰۲

فہرست مضامین

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ اجمعین۔

اما بعد: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بے شمار مخلوقات پیدا فرمائی ہیں ان ہی مخلوقات میں سے جن، ملائکہ اور انسان بھی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے جو شرف وفضیلت انسان کو عطا فرمائی ہے، وہ اپنی باقی مخلوقات میں سے کسی اور کو نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے جنات کو آگ سے پیدا فرمایا اور ملائکہ کو نور سے پیدا فرمایا اور انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے قرآن کریم میں ربِ کائنات کا ارشادِ گرامی ہے۔

اذ قال ربك للملٰئكة انی — جب وقت فرمایا تیرے رب نے فرشتوں سے
خالق بشرا من طین پ ۲۳ — کہ تحقیق میں پیدا کرنے والا ہوں بشر (انسان) کو مٹی سے۔

اس بشر سے مراد یہاں حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ایک اور مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔

اذ قال ربك للملٰئكة انی خالق — جس وقت فرمایا تیرے رب نے فرشتوں سے
بشرا من صلصال من حمإ — کہ تحقیق میں پیدا کرنے والا ہوں بشر (انسان) کو
مسنون : پ ۱۴ — بجتی مٹی سے جو بدبو دار سیاہ گارے سے ہے

ان دونوں آیات مبارکہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان (یعنی آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جنات اور ملائکہ دونوں سے انسان کو افضل واشرف قرار دیا جیسا کہ بے شمار آیات مبارکہ اور احادیث شریفہ سے ثابت ہے۔ ہم یہاں تفصیل میں جانے کی بجائے صرف ایک دو آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ ناری مخلوق جنات اور نوری مخلوق ملائکہ سے خاکی مخلوق انسان بزرگ اور افضل ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ پ۳۰	بے شک ہم نے انسان کو بڑی اچھی ساخت پر پیدا کیا ہے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر تا قیام قیامت جتنے انسان بھی پیدا ہوئے اور ہوں گے۔ ان سب کو یہ شرف حاصل ہے بشرطیکہ مسلمان ہوں ورنہ تو پھر اولٰئک کالانعام بل ھم اضل بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

ولقد کرمنا بنی آدم۔ پ۱۵	اور البتہ تحقیق مکرم بنایا ہم نے اولاد آدم کو

اس آیت سے بھی انسان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی یہ بات بالکل واضح ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف کی روایت یوں آتا ہے۔

حدثنا محمود بن غیلان نا ابو احمد نا سفیان عن یزید بن ابی زیاد عن عبداللہ بن الحارث عن المطلب بن ابی وداعۃ قال جاء العباس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	محمود بن غیلان، ابو احمد، سفیان، یزید ابن ابی زیاد، عبداللہ بن حارث حضرت مطلب بن ودا عہ سے روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور گویا انہوں نے کوئی بات سنی تھی۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ

وكانه سمع شيئا فقام النبي صلى الله عليه وسلم على المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول الله عليك السلام قال انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلني في خيرهم ثم جعلهم فرقتين فجعلني في خيرهم فرقة ثم جعلهم قبائل فجعلني في خيرهم قبيلة ثم جعلهم بيوتا فجعلني في خيرهم بيتا وخيرهم نفسا هذا حديث حسن وقد روى عن سفيان الثوري عن يزيد بن ابي زياد نحو حديث اسماعيل بن ابي خالد عن يزيد بن ابي زياد عن عبد الله ابن الحارث عن العباس بن عبد المطلب

علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا میں کون ہوں لوگوں نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں آپ پر سلامتی ہو حضورؐ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پیدا کی تو مجھے بہترین مخلوق بنایا، پھر اس کے بعد دو فرقے کیے، تو مجھے اچھے فرقہ میں بنایا، پھر اس کے دو قبیلے بنائے تو مجھے سب سے اچھے قبیلے میں رکھا۔ پھر اس کو گھروں میں تقسیم کیا، تو مجھے گھر اور شخصیت دونوں لحاظ سے سب سے اچھا بنایا۔ یہ حدیث حسن ہے سفیان ثوری سے بھی بواسطہ یزید بن ابی زیاد اسماعیل بن خالد کی روایت کے ہم معنی مذکور ہے۔

(ترمذی شریف صفحہ ۲۰۱ ج ۲ مطبوعہ امین کمپنی دہلی)

اس روایت سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ تمام مخلوقات میں سے انسان اشرف المخلوقات ہے۔ ناظرین کرام۔ یہاں تک مخلوقات کی بات تھی کہ جنات اور ملائکہ اور انسانی مخلوق میں سے کون سی مخلوق افضل ہے۔ ہم نے قرآن کریم اور حدیث مبارکہ سے

یہ بات واضح کردی کہ ناری مخلوق جنات اور نوری مخلوق ملائکہ سے خاکی مخلوق انسان افضل ہے۔ اب ہم یہ بات عرض کرتے ہیں کہ تمام انسانوں میں سے سب سے افضل و اشرف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوتے ہیں کوئی جن اور کوئی فرشتہ نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لو کان فی الارض ملٰئکۃ — کہ اگر زمین میں فرشتے (نوری مخلوق)
یمشون مطمئنین لنزلنا — ہوتے تو ہم ان میں فرشتے ہی رسول بنا
علیہم من السماء ملکا رسولا — کر بھیجتے۔

(پ ۱۵)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ فرشتوں کو رسول اور نبی بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انسانوں کو نبی و رسول بنا کر بھیجا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام کے تمام انبیاء و رسل انسانی مخلوق میں سے ہی تھے اور خاص کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حدیث مبارکہ ترمذی شریف کے حوالے سے اوپر گزر چکی ہے۔ قرآن و حدیث، صحابہ کرامؓ، سلف صالحین، مفسرین و محدثین اور ائمہ اربعہ کی تعلیمات کی روشنی میں ہمارا اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ نظریہ اور عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء انسان تھے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسان اور بشر ہیں مگر ساتھ یہ نظریہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل بشر ہیں، نہ تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کا انکار کرتے ہیں اور نہ ہی آپ کے نور ہونے کا ہمیں انکار ہے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر بھی مانتے ہیں اور نور بھی لیکن نور سے نور ہدایت مراد ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے جیسا کہ عم مکرم استاذ محترم امام اہل السنۃ محدث اعظم پاکستان محقق دوراں امام فن اسماء الرجال شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا علامہ محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ العالی نے اپنی کتاب تنقید متین صفحہ ۸۴ و صفحہ ۸۵ میں نقل کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

"ہمارا ایمان اور تحقیق یہ ہے کہ امام الرسل خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر بھی ہیں اور نور بھی جنس اور ذات کے لحاظ سے تو آپ بشر ہیں اور صفت و ہدایت کے اعتبار سے آپ نور ہیں۔ آپ کی بدولت دنیا ظلمت کو روشنی نصیب ہوئی کفر و شرک کی تاریکی کافور ہوئی اور نور ایمان و توحید کی شعاعوں سے سطح ارضی منور ہوئی جو لوگ خواہشات نفسانی اور اہواء و آراء کی تاریکیوں اور باہمی شقاق و خلاف کے گہرے گڑھوں میں پڑے دھکے کھا رہے تھے۔ آپ کی وساطت سے وہ سلامتی کی کھلی اور روشن راہوں پر گامزن ہو گئے۔ کوئی مسلمان اس حقیقت کا منکر نہیں ہے۔ ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں معنی نور سمجھا اور کہا جائے کہ معاذ اللہ آپ کی بشریت آدمیت اور انسانیت ہی کا سرے سے انکار کر دیا جائے تو نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہم اس کے قطعاً منکر ہیں۔"

ناظرین کرام! یہ ہمارا عقیدہ اور نظریہ ہے اور اس کتاب "نور و بشر" میں اسی عقیدہ کے پیش نظر بحث کی گئی ہے۔ اس عقیدہ کے برخلاف بریلوی حضرات کا عقیدہ اور نظریہ یہ ہے۔ چنانچہ بریلوی حضرات کے ماہنامہ رسالہ حق لاہور بابت ماہ اپریل ۱۹۶۴ء کے ابتدائی ٹائیٹل پر مختصر عقائد اہل السنت والجماعت کے عنوان سے چند عقائد درج ہیں بعض یہ ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے ذاتی نور پاک سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کو پیدا کیا، پھر اس نور سے تمام کائنات کا ظہور فرمایا۔

(۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جامہ بشریت میں اللہ تعالیٰ کے بے مثل نور ہیں۔

ایک دوسرے بریلوی عالم خواجہ محمد یار صاحب (المتوفی ۱۳۶۷ھ) کہتے ہیں۔

ے خدا کہتے ہیں جس کو مصطفیٰ معلوم ہوتا ہے   جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے

(دیوان محمدی ص۱۰۲)

محمد مصطفیٰ محشر میں ظاہر بن کے نکلیں گے — اٹھا کر میم کا پردہ ہویدا بن کے نکلیں گے

حقیقت جن کی مشکل تھی تماشا بن کے نکلیں گے — جسے کہتے ہیں بندہ قل ھو اللہ بن کے نکلیں گے

بجلتے تھے جو انی عبدہٗ کی بانسری ہر دم — خدا کے عرش پر انی انا اللہ بن کے نکلیں گے

(دیوان محمدی ص۱۱۳)

احد احمد میں فرق نہیں اسے محمدیا (محمد یار ۱۲) — عشاق یار رکھتے ہیں ایمان نتے نتے

(دیوان محمدی ص۱۰۷)

گر محمد نے محمدؐ کو خدا مان لیا (محمد یار ۱۲) — پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے دغاباز نہیں

(دیوان محمدی ص۱۰۵)

محمدؐ دی صورت ہے صورت خدا دی — میرے دل توں نقشہ مٹا کوئی نہیں سکدا

(دیوان محمدی ص۱۲۲)

احد نال احمد دلا کیوں نہ ڈیکھاں — حبیب خدا کوں خدا کیوں نہ ڈیکھاں

(دیوان محمدی ص۱۲۶)

محمدؐ محمد پکیندی گزر گئی — احد نال احمد ملیندی گزر گئی

میں اپنی حیاتی تو قربان تھیواں — خدا کو محمد سڈیندی گزر گئی

(دیوان محمدی ص۱۲۵)

احمد احد کوں ڈوں نہ کر — من گھن چراکڑ چول نہ کر

(دیوان محمدی ص۱۰۷)

ناظرین کرام! اب آپ نے دیکھ لیا کہ بریلویوں کا عقیدہ نور و بشر میں کیا ہے۔ ہم نے کتاب کے باب دوم میں ان کے دلائل بھی ذکر کر دیئے ہیں جن سے ان کے مسلک کی حقیقت اچھی طرح کھل کر سامنے آجائے گی کہ دعویٰ کیا ہے اور دلائل ان کے کس قسم کے ہیں جہاں تک بریلوی اور دیوبندی اختلاف کا تعلق ہے اس پر لکھنے کی تو اس مقدمہ میں گنجائش نہیں ہے مگر اصولی طور پر اس اختلاف کی مختصر سی وضاحت کی جاتی ہے عوام کے ذہن میں ایک سوال

پیدا ہوتا ہے اور اکثر لوگوں نے ہم سے یہ سوال کیا بھی ہے کہ بریلوی اور دیوبندی دونوں اپنے آپ کو اہل السنتہ والجماعت حنفی کہلواتے ہیں، مگر ان دونوں میں اختلاف بھی اس قدر ہے کہ ایک دوسرے کو کافر تک کہتے ہیں۔ ان دونوں میں سے صحیح کون ہے اور ان کا آپس میں اختلاف کیا ہے؟

اس کا جواب ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ اصولی طور پہ بریلوی اور دیوبندی میں اختلاف دو باتوں میں ہے۔ پہلی بات شرک کا مسئلہ ہے اور دوسری بات بدعت کا مسئلہ ہے۔ علماء دیوبند علم غیب، حاضر و ناظر، مختار کل، نور و بشر، استعانت لغیر اللہ، نذر و نیاز اور ان جیسی دیگر باتوں کو خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور میں ماننے کو قرآن و سنت، صحابہ کرامؓ سلف صالحین اور ائمہ اربعہؒ کی تعلیمات کی روشنی میں شرک قرار دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف بریلوی حضرات ان باتوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح بدعت کا مسئلہ ہے۔ مثلاً اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام، جنازہ کے بعد دعا، قبروں پکی کرنا، قبروں پر غلاف چڑھانا، اذان میں انگوٹھے چومنا، قبر پر اذان دینا، عید میلاد النبیؐ کا جلوس، حیلہ اسقاط، تیجا، ساتواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں اور ایسی ہی دیگر باطل خرافات و رسومات کو علماء دیوبند بدعات تصور کرتے ہیں، مگر بریلوی حضرات ایسی باتوں کو نہ صرف جائز بلکہ باعث اجر و ثواب سمجھتے ہیں۔ علماء دیوبند نے قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں جو تعریف شرک و بدعت کی کی ہے اسے بریلوی حضرات تسلیم نہیں کرتے، بلکہ قرآن و سنت کے خلاف اپنی مرضی سے جو چاہے تاویل کرتے ہیں۔ ہماری سمجھ کے مطابق دیوبندی اور بریلوی اختلاف کی حقیقت یہی دو باتیں ہیں۔ ان ہی اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ نور و بشر کا بھی ہے۔ اس بارے میں اہل حق دیوبند کی طرف سے کافی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ہمارے ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرت العلوم سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ کی شائع کردہ مختلف کتابوں میں بھی یہ مسئلہ نور و بشر آچکا ہے، مگر اس مسئلہ پر کوئی مستقل کتاب ادارہ کی طرف سے شائع نہ ہو سکی، جیسا کہ باقی تمام مسائل میں ادارہ کی طرف سے کتابیں شائع

ہوئی ہیں۔ مثلاً علم غیب کے مسئلہ پر ازالۃ الریب اور اظہار الغیب، مسئلہ حاضر و ناظر پر تبرید النواظر اور تفریح الخواطر، مسئلہ مختار کل پر دل کا سرور اور استعانت کے مسئلہ پر گلدستہ توحید اور رد بدعات پر المنہاج الواضح یعنی راہ سنت، باب جنت تنقید متین، حکم الذکر بالجہر اور اخفاء الذکر وغیرہ۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب تنقید متین میں یہ لکھا ہے کہ مسئلہ نور و بشر کی پوری تحقیق اور بحث تو انشاء اللہ ہم اپنے رسالہ نور و بشر میں کریں گے مگر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی تدریسی و تبلیغی مصروفیات اور پیرانہ سالی اور علالت کے باعث یہ بات پوری نہ ہوسکی۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ مسئلہ نور و بشر اپنی کتاب تنقید متین اور اتمام البرہان میں کافی وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔ اسی لیے انہوں نے مزید اس مسئلہ پر کوئی الگ کتاب لکھنے کی خاص ضرورت محسوس نہیں کی۔ مگر مشتاقین کے خطوط کثرت سے آتے رہے کہ جس طرح آپ نے دوسرے مسائل پر کتابیں لکھی ہیں اس مسئلہ پہ بھی ضرور کتاب لکھیں۔ مگر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ میں نے مسئلے کی وضاحت کردی ہے۔ ہمارے ادارہ نشر و اشاعت کے ناظم صاحب نے حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے افادات کی روشنی میں مسئلہ نور و بشر پر جو کہ آپ کی مختلف کتابوں میں موجود ہے اسے یکجا کردیا جائے تو حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے اس بات کی اجازت فرمائی، تو احقر نے حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی مختلف کتابوں سے اس کتاب نور و بشر کو مرتب کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ احقر کی اس سعی کو قبول فرمائے اور لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

احقر محمد فیاض خان سواتی

مدرس مدرسہ نصرت العلوم

یکم صفر ۱۴۱۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

نبی اور رسول شریعت کی اصطلاح میں اس انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے شریعت نازل کی گئی ہو اور جب دوسروں کو تبلیغ کرنے کا بھی مامور ہو تو وہ رسول ہے چونکہ زمین کی خلافت و نیابت انسان کے حوالے کی گئی ہے اس لیے حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ انسانوں کی اصلاح اور رشد و ہدایت کے لیے انسان اور بشر ہی رسول مبعوث ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قرآنی دلائل

آیت نمبر ا

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا	اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے
اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى اِلَّآ	سے جب پہنچی ان کے پاس ہدایت مگر
اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا	اسی بات نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بشر
(پ۱۵ سورۃ الاسراء رکوع ۱۱)	کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔!

اس سے معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کو ایمان لانے سے ان کا یہ نظریہ مانع رہا کہ بشر کو رسالت کیونکر مل سکتی ہے جبھی تو انہوں نے صاف الفاظ میں یہ کہا کہ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنایا ہے؟

ان نادانوں نے بشر کو رسول ماننے سے تو انکار کیا۔ لیکن پتھر کو معبود ٹھہرانے سے

فرمائے، چنانچہ حضرت علی بن سلطان المعروف بملا علی القاری الحنفیؒ المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں کہ

اِنْکَارًا مِّنْهُمْ اَن یُّرْسِلَ اللّٰہُ بَشَرًا وَّاِقْرَارًا بِاَنْ یَّصْلُحَ اَنْ یَّکُوْنَ الْاِلٰہُ حَجَرًا اھ — انہوں نے اس کا تو انکار کیا کہ اللہ تعالیٰ بشر کو رسالت عطا فرمائے مگر اس کا اقرار کر لیا کہ پتھر ان کا معبود قرار پائے۔

(شرح الشفاء ص ۵۴۳ ج ۲ طبع مصر)

اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ

قُلْ لَّوْ کَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَۃٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوْلًا — (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تو کہہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور آباد ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ رسول بنا کر بھیج دیتے۔

(پ ۱۵ سورۃ الاسراء ع ۱۱)

یعنی زمین میں چونکہ انسان آباد ہیں، تو ان کی اصلاح اور بھلائی کے لیے بشر آدمی اور انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجنا مصلحت کے عین مطابق ہے۔ اگر فرشتے زمین میں بسنے والے ہوتے تو آسمان سے فرشتے اور نوری مخلوق ان کی اصلاح کے لیے مبعوث کی جاتی۔

آیت نمبر ۲

قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ۝ قَالَ لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَۃَ — اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا، وہ بولا میں نہ تھا کہ بشر کو سجدہ کرتا جس کو تو نے کھنکھناتے ہوئے سڑے گارے سے پیدا کیا، فرمایا تو نکل جا یہاں سے بے شک تو مردود ہے اور تجھ پر

اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ (پ۱۴ الحجر ۳) قیامت کے دن تک پھٹکار ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں بجنے والی مٹی اور سڑے ہوئے گارے سے بشر پیدا کرنے والا ہوں جب میں اس کو بنا چکوں اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا۔ فرشتوں نے بلا قیل وقال تعمیل حکم میں سجدہ کیا، مگر ابلیس لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بشر اور آدمی کو کم درجے کا سمجھنا ابلیس لعین کا نظریہ ہے جس پر تا قیامت اللہ تعالیٰ کی پھٹکار پڑتی رہے گی اور وہ مردود و ملعون ٹھہرا رہے گا اور بشر کو اعلیٰ شان کا سمجھنا فرشتوں (اور فرشتہ صفت لوگوں) کا کام ہے۔ اس مضمون کے پیش نظر جو شخص بشر میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو دیکھ رہا یا تلاش کر رہا ہے تو وہ ابلیس کے طریقے کو اپنا رہا ہے اور اس کو اپنا مقام خود سمجھ لینا چاہیے۔

آیت نمبر (۳)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ (الآیۃ پ۱۶ کہف) تو کہہ میں تو تمہاری طرح کا بشر ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یعنی میں بھی بشر ہوں جیسے تم بشر ہو اور تمام لوازمات بشریہ مجھ میں پائے جاتے ہیں جیسے تم میں ہیں۔ ہاں میرا اور تمہارا فرق یہ ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل کی جاتی ہے جس کی بدولت میرا نام اور مقام بہت بلند ہو گیا۔

آیت نمبر ۴

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۱۰) تو کہہ سبحان اللہ میں تو نہیں ہوں مگر بشر رسول۔

مشرکین مکہ نے تعصب و عناد کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند فرمائشی

تقاضات طلب کیے تھے جو حکمت خداوندی کے خلاف تھے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یوں ارشاد فرمایا کہ قل سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ہ

ناظرین کرام، ہم نے یہاں تک قرآن کریم کی چار آیات ذکر کی ہیں جو کہ مسئلہ کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔ آگے احادیث مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں۔ (فیاض)

حدیث نمبر ۱ | احادیث مبارکہ سے دلائل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ سے اپنا منصب بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الحدیث) — کہ میں تو تمہاری طرح کا بشر ہوں۔

(بخاری شریف ص۵۸ ج۱، مسلم شریف ص۲۱۲ ج۱)

حدیث نمبر ۲

آپؐ نے ارشاد فرمایا

اَللّٰهُمَّ اِنَّمَا اَنَا مُحَمَّدٌ بَشَرٌ يَغْضَبُ (الحدیث) — اے میرے پروردگار میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بشر ہوں مجھے غصہ بھی آ جاتا ہے۔

(مسند احمد ص۴۹۳ ج۲)

حدیث نمبر ۳

خطبۂ کسوف کے موقع پر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

یا ایها النّاس انما انا بشر رسول۔ (الحدیث) — اے لوگو پختہ بات ہے کہ میں تو بشر رسول ہوں۔

(موارد الظمآن ص۱۵۵)

حدیث نمبر ۴

حجۃ الوداع کے بعد ایک خاص مقام اور مخصوص موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

اَلَا یا ایّھا النّاس انما انا بشر	خبردار، اے لوگو! بجز اس بات کے نہیں کہ
یوشك ان یاتینی رسول ربی	میں تو بشر ہوں، قریب ہے کہ میرے
عزّ وجلّ فاجیب (الحدیث)	پاس میرے رب کا قاصد (ملک الموت)
	آ جائے اور میں اس کے حکم کی تعمیل کروں۔

(مسند احمد ج۴ ص۳۶۶ واللفظ لہ، دارمی ص۴۲۳ و مسلم ج۲ ص۲۷۹ و سنن الکبریٰ ج۱ ص۱۱۴)

ناظرین کرام! ہم نے یہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار احادیث مبارکہ نقل کر دی ہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ کے آثار نقل کیے جاتے ہیں۔ (فیاض)

اثر نمبر ۱ — آثار صحابہؓ سے دلائل

ترجمان القرآن حبر الامت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ بھی مذکور ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ	کہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم قد مات و انہ بشر	کی وفات ہو چکی ہے کیونکہ بتاکید آپ
(الحدیث) (دارمی ص۲۳)	بشر تھے۔

اثر نمبر ۲

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے (کان بشراً من البشر) (شمائل ترمذی ص۲۴ و ادب المفرد ص۷۹ للامام بخاری)

اثر نمبر ۳

قالت ماکان الا بشراً من	حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نہ تھے جناب
البشر الخ (سوارد الظمآن ص۵۲۵)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر بشر میں سے بشر

اثر نمبر ۴

جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو بشر کہا۔

(تلخیص المستدرک صفحہ ۱۰۸ ج ۱)

اثر نمبر ۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو قریش کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک موقعہ پر آپ کو بشر کہا۔

(مستدرک حاکم صفحہ ۱۰۶ ج ۱)

ناظرین کرام! یہاں تک ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پانچ اقوال نقل کردیے ہیں آگے علماء اسلام اور فقہاء ملت و مفسرین و محدثین اور صوفیاء کرام کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔ (فیاض)

اقوال علماء اسلام و مفسرین و محدثین کرام رحمہم اللہ

تمام علماء اسلام اور فقہاء ملت اس بات پر متفق ہیں کہ سب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر تھے۔ صاف اور صریح الفاظ میں اپنی کتابوں میں وہ اس کا بلاخوف و تردید اظہار اور اعلان کرتے ہیں۔ ہم چند حوالے عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر (۱) (۲) (۳)

قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ المالکی المتوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں کہ

قد قدمنا انه صلی اللہ علیه	
وسلم وسائر الانبیاء والرسل	بلاشبہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ حضرت
من البشر وان جسمه وظاهره	محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام حضرات
خالص للبشر یجوز علیه من	انبیاء اور رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر
الآفات والتغیرات والآلام	تھے اور آپ کا جسم مبارک اور ظاہر خالص

والاسقام وتجوع کالمس الحمام ما یجوز علی البشر وھٰذا کلہ لیس بنقیصۃ فیہ الخ (الشفاء ص۱۵۸ ج۲ طبع مصر)	بشری تھا آپ پر وہ سب کچھ جائز ہے جو اور انسانوں پر طاری ہو سکتا ہے۔ مثلاً تکالیف مصائب آلام بیماریاں اور موت کا پیالہ پینا وغیرہ اور ان سب امور کی وجہ سے آپ کی شان میں کوئی کمی اور نقص نہیں آتا۔!

یہ عبارت اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن اور صاف ہے۔ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اسی کے قریب الفاظ ہیں (نمبر۲) علامہ محی الدین برکلی الحنفی (المتوفی ۱۰۵۲ھ) (نمبر۳) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفی (المتوفی ۱۰۵۲ھ) کے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم و سائر الانبیاء من البشر محصلہ) ملاحظہ ہو طریقہ محمدیہ ص۱ طبع مصر و تکمیل الایمان طبع لکھنؤ ص۳

نمبر۴

امام محمد بن محمد الکردری الحنفی (المتوفی ۸۲۷ھ) لکھتے ہیں کہ

لان النبی علیہ السلام بشر والبشر جنس یلحقھم المعرۃ الامن اکرمھم اللہ اھ (فتاوی بزازیہ ص۳۲۲ ج۶ برحاشیہ عالمگیری طبع مصر)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور بشر ایک ایسی جنس ہے جس کو عیب لاحق ہو سکتا ہے۔ ہاں مگر جن کو اللہ تعالیٰ عزت بخش دے۔

اس عبارت میں بھی تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عصمت کی بلند پایہ خلعت سے نوازا ہوتا ہے اور وہ معصوم ہوتے ہیں۔

نمبر۵

علامہ جلال الدین الدوانی الشافعیؒ (المتوفی ۹۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ

النبی ھو انسان بعثہ اللہ	نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ

الی الخلق لتبلیغ ما اوحی الیہ — مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کی خاطر مبعوث کرتا ہے۔
(شرح عقائد جلالی ص۲)

بشر آدمی اور انسان یہ تمام الفاظ ہم معنی اور مترادف ہیں اور اس عبارت سے واضح ہوا کہ نبی انسان ہوتا ہے۔

نمبر ۶

محقق احناف حافظ ابن الہمام الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ

ان النبی انسان بعثہ اللہ لتبلیغ ما اوحی الیہ و کذا الرسول فلا فرق۔ (المسایرہ مع المسامرہ ص۸۳ ج۲ طبع مصر)

تحقیق سے نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نازل کیے احکام کی تبلیغ کے لیے مبعوث کرتا ہے اور اسی کو رسول کہتے ہیں سو اس لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

نمبر (۷) (۸) (۹)

اسی کے قریب الفاظ میں شرح عقائد ص۱۲۳ و ص۹۹ للعلامۃ التفتازانی (المتوفی ۷۹۲ھ) اور علامہ صادق علی العصامیہ ص۲ اور رشیدیہ ص۵ وغیرہ عقائد اور علم مناظرہ کی مستند کتابوں میں ہے

نمبر ۱۰

امام جلال الدین السیوطی الشافعیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ

والاشہر فی معنی الرسول انہ انسان اوحی الیہ بشرع وامر بتبلیغہ فان لم یؤمر فنبی فقط (تدریب الراوی ص۱۹۰ طبع مصر)

رسول کے معنی میں مشہور یہ ہے کہ وہ ایسا انسان ہوتا ہے جس کی طرف شریعت کی وحی کی جاتی ہے اور تبلیغ شرع کا مامور ہوتا ہے اور اگر اسے تبلیغ شرع کا حکم نہ ہو تو فقط نبی ہوتا ہے۔

یعنی اگر جدید شرع اور نئے احکام کی تبلیغ کا حکم ہو تو وہ رسول ہوتا ہے اور اگر جدید

شرع کی تبلیغ کا حکم نہ ہو، بلکہ پہلی شریعت کی تبلیغ کا حکم ہو تو وہ نبی ہوتا ہے۔

نمبر ۱۱

امیر یمانی محمد بن اسماعیلؒ (المتوفی ۱۱۸۲ھ) لکھتے ہیں کہ

وفی لسان الشرع عبارۃ	اور شریعت کی اصطلاح میں نبی اس
عن انسان انزل علیہ شریعۃ	انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی
من عند اللہ بطریق الوحی	طرف سے وحی کے ذریعے شریعت نازل
فاذا امر بتبلیغہا الی الغیر	کی گئی ہو اور جب اسے دوسرے
سمی رسولا اھ	لوگوں کی خاطر اس شریعت کی تبلیغ کا
(سبل السلام ص ۹ ج ۱ طبع مصر)	حکم دیا گیا ہو تو اسے رسول کہتے ہیں۔

نمبر ۱۲

علامہ محمد عابدین الشامی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ بشر کی تین قسمیں ہیں خواص جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور درمیانے قسم کے جیسے حضرات صحابہ کرامؓ وغیرہ اور عوام جس طرح دیگر لوگ (شامی ص ۳۹۲ ج ۱ طبع مصر)

نمبر ۱۳

امام محمد بن عمر الرازیؒ الشافعی (المتوفی ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں کہ

کان محمد صلی اللہ علیہ	یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے
وسلم من البشر	
(تفسیر کبیر ص ۳۵ ج ۵ طبع مصر)	

نمبر ۱۴

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی الشافعیؒ (المتوفی ۶۳۸ھ) لکھتے ہیں کہ

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت جبکہ
وسلم فی کل وقت وھو فی	آپ رسالت اور خلافت الٰہی کے بلند مرتبے

مرتبۃ الرسالۃ والخلافۃ
انما انا بشر مثلکم فلم تحجبہ
المرتبۃ عن معرفۃ نشأتہ
(فتوحات مکیہ صفحہ ۲۳ طبع مصر)

پر فائز تھے یہی فرماتے رہے کہ میں تو
تمہاری طرح کا بشر ہوں آپ کے اس بلند مقام
نے آپ کو اپنی حقیقت کے اعتراف سے
نہیں روکا۔

یعنی باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت وخلافت کا اعلیٰ مقام مرحمت فرمایا ہے بایں ہمہ آپ نے اپنی بشریت کا صاف اور صریح الفاظ میں ذکر فرمایا ہے اور اس سے انکار نہیں کیا۔

نمبر ۱۵

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ (المتوفی ۶۷۲ھ) نے اپنی مثنوی میں ایک حکایت بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ تھا جو مکان کی چھت پر کھیل رہا تھا اور اس کے ماں باپ بھی کسی کام میں مصروف تھے (یا دھوپ سینک رہے ہوں گے) مکان کی چھت پر ایک کھوکھلا سا پرنالہ تھا جس کے ذریعے چھت کا پانی کوچہ میں بہتا تھا۔ اچانک وہ بچہ اس پرنالے میں جا گھسا۔ پرنالہ چونکہ گلی کی طرف آگے کی طرف بڑھا ہوا تھا۔ ماں باپ کو خیال ہوا کہ یہ اتنا مضبوط تو ہے نہیں، مبادا یہ کہ پرنالہ بچے کے وزن کو برداشت نہ کر سکے اور نیچے گر جائے اور بچہ ہلاک ہو جائے۔ جب ماں باپ اس کے قریب گئے تاکہ اس کو پرنالے سے باہر نکالیں تو وہ نادان بچہ لاڈ میں آکر اور اندر گھستا چلا گیا جس سے ہر لحظہ خطرہ بڑھتا رہا اور ماں باپ جب اس کو اپنی طرف بلاتے تو وہ اور دور ہوتا جاتا، بالآخر وہ مایوس ہو گئے کہ یہ اناڑی اور نادان بچہ بات نہیں مانتا اور پرنالہ الٹ گیا، تو یہ ہلاک ہو جائے گا۔ کسی دانا نے جو یہ ماجرا دیکھ رہا تھا۔ ان کو یہ مشورہ دیا کہ اسی عمر کا کوئی بچہ فوراً محلے سے لے آؤ اور اس کو مکان کی چھت پر بٹھا دو، یہ ننھا بچہ جب اس کو دیکھے گا، تو بقاعدہ الجنس یمیل الی الجنس اس سے مانوس ہو کر تمہارا بچہ بھی پرنالے سے باہر نکل آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور مکان کی چھت پر ہم عمر بچے کو دیکھ کر وہ بچہ بھی پرنالے سے نکل آیا، اس کی جان بچی اور ماں باپ کی پریشانی کا ازالہ ہوا اس

واقعہ کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کرنے کے بعد مولانا رومی فرماتے ہیں کہ

زاں بود جنس بشر پیغمبراں تا بہ جنسیت رہند از ناودال

یعنی اسی وجہ سے حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جنس بشر سے ہیں تاکہ جنسیت کی وجہ (مصائب اور گمراہی کے) پرنالے سے ان کو نکال لائیں اور حقیقت یہی ہے کہ غیر جنس سے فائدہ اٹھانا اور اس کے اسوہ اور سیرت پر چلنا خاصا مشکل کام ہے۔

نمبر ۱۶

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (المتوفی ۱۰۳۴ھ) فرماتے ہیں کہ

اے برادر محمد صلی اللہ علیہ وسلم باآں علوشان بشر بود و بداغ حدوث وامکان متسم۔	اے بھائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس بلند شان اور مرتبے کے بشر تھے اور حدوث وامکان کے داغ سے متصف تھے۔

(مکتوب ۱۳ دفتر اول ص۱۳ طبع امرتسر)

یعنی نہ تو آپ قدیم اور واجب تھے اور نہ ازلی و ابدی تھے بلکہ بشر حادث اور ممکن تھے اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ

نمے بینی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام با عامہ درنفس انسانیت برابر اند و در حقیقت و ذات ہمہ متحد تفاضل باعتبار صفات کاملہ آمدہ است۔	تو نہیں دیکھتا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام عام لوگوں کے ساتھ نفس انسانیت میں برابر ہیں اور حقیقت و ذات کے لحاظ سے سب کے ساتھ متفق ہیں

(دفتر اول حصہ چہارم ص۱۲۹)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ

نمبر ۱۷

اما در نبوت و رسالت درجہ الیست مرتفع ملائکہ ملک باآں نرسیدہ است	بہر حال نبوت اور رسالت میں نبی کے لیے ایک ایسا درجہ ہے جس تک فرشتہ نہیں پہنچ

وآں درجہ از راہِ عنصرِ خاک آمدہ است | تھا اور وہ درجہ اصل میں مٹی سے حاصل
کہ مخصوص بہ بشر است ۔ | ہوتا ہے جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے

(مکتوبات دفتر اول حصہ چہارم ص۱۲۳)

نمبر ۱۷

مشہور صوفی صاحبِ حال و وجد علامہ بوصیریؒ (المتوفی ۶۹۵ھ) فرماتے ہیں کہ

فمبلغ العلم فيه انه بشر وانه خير خلق الله كلهم

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مبلغِ علم یہی ہے کہ آپ بشر ہیں اور آپ بلاشک اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہتر ہیں

نمبر ۱۸

مصر کے مشہور عالم شیخ محمد عبدہٗ (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) لکھتے ہیں کہ

والانبياء افضل البشر بالاجماع | حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
(تفسیر المنار ص[illegible] ج[illegible] طبع مصر) | بالاجماع افضل البشر ہیں۔

نمبر ۱۹

علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المالکی (المتوفی ۱۱۲۲ھ) تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ناموں میں سے ایک نام ہی بشر ہے ۔

(زرقانی شرح مواہب ص۱۲۴ ج۳ طبع مصر)

نمبر ۲۰

محدث کبیر امام ابو حاتم محمد بن ادریس الامام الحافظ الکبیر (المتوفی ۲۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ

ما نجد لابی بکر و عمر فضيلة | ہم حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اس جیسی اور کوئی
مثل هذه الفضيلة لطينتهما | فضیلت نہیں پاتے کہ ان کا مادہ اس مٹی سے بنا
من طينة رسول الله صلى الله عليه وسلم | ہے جس مٹی سے جناب رسول اللہ صلی اللہ
(مختصر تذکرۃ القرطبی لعبد الوہاب شعرانی ص۱۲ طبع مصر) | علیہ وسلم کا وجودِ مسعود تیار ہوا ہے ۔

احادیث میں آتا ہے کہ جہاں کی مٹی اور خمیر ہوتا ہے، مرنے کے بعد انسان اسی مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ تینوں بزرگ روضۂ اقدس کے اندر پہلو بہ پہلو قبروں میں تشریف فرما ہیں۔

یہ مختصر اور ٹھوس حوالے منصف مزاج آدمی کے لیے بالکل کافی ہیں۔ ہاں ضدی اور ہٹ دھرم کے لیے دلائل کا انبار بھی ناکافی ہے۔

اقوالِ فقہاءِ کرام رح

یہ یاد رہے کہ فقہاءِ کرامؒ وہ محتاط طبقہ ہے جو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سے ادنیٰ توہین کو بھی صاف اور صریح الفاظ میں کفر کہتا ہے اور اس کے مرتکب کو قابلِ گردن زدنی سمجھتا ہے، مگر بایں ہمہ وہ حضرات انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علی الخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صریح الفاظ میں انسان اور بشر تسلیم کرتا ہے۔

نمبرا

امام طاہر بن احمد الحنفیؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) لکھتے ہیں کہ

وفی المحیط من شتم النبی	محیط میں ہے کہ جس شخص نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم واھانہ	صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہا اور آپ کی
او عابہ فی امور دینہ او فی	توہین کی یا دینی امور میں آپ کا عیب
شخصہ او وصف من	نکالا یا آپ کی ذات یا آپ کے ذاتی
اوصاف ذاتہ سواء کان	اوصاف میں سے کسی صفت میں عیب نکالا
الشاتم مسلمًا من امتہ او	عام اس سے کہ بُرا کہنے والا آپ کی امت
غیرھا و سواء کان من	سے ہو یا غیر ہو اور عام اس سے کہ ذمی
اھل الکتاب او غیرہ	ہو یا حربی اور برابر ہے کہ آپ کی برائی
ذمیًا کان او حربیًا	یا اہانت یا عیب قصداً اس سے سرزد

سواء کان الشتم او الاهانة
او العیب صادراً عنه عمداً
او سهواً او غفلةً او جداً او هزلاً
فقد کفر خلوداً بحیث ان تاب
لم تقبل توبته ابداً لا
عند الله ولا عند الناس
وحکمه فی الشریعة المطهرة
عند متاخری المجتهدین
اجماعاً و عند المتقدمین
القتل قطعاً ولا یداهن
السلطان و نائبه فی حکمه
قتله اھ

خواہ یہ سہواً یا غفلۃً یا حقیقتاً ہو یا دل لگی
سے ہر صورت میں یہ دوامی طور پر کفر
ہے بایں حیثیت کہ اگر وہ توبہ بھی کرے
تو اس کی توبہ کبھی قبول نہ ہوگی نہ عند اللہ
نہ عند الناس اور شریعت مطہرہ میں اس
کا حکم متاخرین مجتہدین کے اتفاق سے
اور متقدمین کے نزدیک بھی یہ ہے کہ
اگر اس کو یقیناً قتل کیا جائے اور
بادشاہ اور اس کا نائب اس کے قتل
میں قطعاً کوئی نرمی اور مداہنت
نہ کرے۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۸۶ ج ۴)

فقہاءِ کرام کا یہ فیصلہ بھی اچھی طرح ملاحظہ کیجئے اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ وہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان اور بشر کہتے ہیں۔ اگر اس لفظ میں توہین و بے ادبی کا ادنیٰ سا شائبہ بھی ہوتا تو وہ ہرگز آپ کو بشر نہ کہتے، بلکہ بشر کہنے والوں کے خلاف اور زد می تو فتویٰ ہی صادر فرما دیتے۔

نمبر ۲

فقہاءِ کرام اور علماءِ ملت نے اس کی صراحت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کا اقرار و عقیدہ ضروریاتِ دین میں سے ہے، اگر کوئی شخص آپ کے بشر ہونے کا انکار تو کیا محض لاعلمی کا اظہار بھی کرے، تب بھی وہ کافر ہے کہ اس نے ایک بنیادی عقیدے کو معلوم نہیں کیا، چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر و مستند کتابوں میں ہے کہ

ومن قال لا ادری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان انسیاً او جنیا یکفر۔	جو شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے یا جن تو وہ شخص کافر ہے۔

(فصول عمادیہ صفحہ ۱۳۵ طبع ہند و فتاوی عالمگیری ص ۲۹۱ ج ۲ طبع مصر)

یعنی اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا اقرار ایک بنیادی عقیدہ ہے اور وہ شخص اس سے بے خبر ہے۔

نمبر (۳)

علامہ زرقانی المالکیؒ (محمد بن عبد الباقی المتوفی سنہ ۱۱۲۲ھ) شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ

فان قلت هل العلم بكونه صلى الله عليه وسلم بشرًا ومن العرب شرط في صحة الايمان او هو من فروض الكفاية على الابوين مثلا فاذا علمه احدهما ولده المميز ذالك سقط طلب عن الآخر اجاب الشيخ ولي الدين احمد بن عبد الرحيم العراقي المحافظ ابن الحافظ انه شرط في صحة الايمان فلو قال شخص او من برسالة محمد صلى الله	پس اگر کوئی کہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر اور اہل عرب میں سے ہونے کا علم صحت ایمان کے لیے شرط ہے یا وہ فرض کفایہ ہے کہ ماں باپ سے ایک نے تمیز والے بچے کو اس کی تعلیم دے دی تو اس کی طلب دوسرے سے ساقط ہو جائے گی۔ اس کا جواب شیخ ولی الدین احمد بن عبد الرحیم العراقی الحافظ ابن الحافظ نے یہ دیا ہے کہ صحت ایمان کے لیے یہ شرط ہے کہ پس اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ میں اس بات کا ایمان رکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق

عليه وسلم الى جميع الخلق ولكن لا ادري هل هو من البشر او من الملائكة او من الجن او لا ادري هو من العرب او العجم فلا شك في كفره لتكذيبه القرآن بقوله تعالى هو الذي بعث في الاميين رسولا منهم وقال تعالى ولا اقول لكم اني ملك وجحده ما تلقته قرون الاسلام خلف عن سلف وصار معلوما بالضرورة عند الخاص والعام ولا اعلم في ذلك خلافا اهـ

کی طرف بھیجے گئے ہیں لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپ بشر تھے یا فرشتے یا جن یا یہ کہ میں نہیں جانتا کہ آپ عربی تھے یا عجمی تو اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ اس نے قرآن کی تکذیب کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے اُمیّوں میں انہی میں سے رسول بھیجا اور نیز فرمایا کہ تو کہہ دے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور اس نے اس چیز کا بھی انکار کیا جو اسلامی ادوار میں سلف و خلف سے تواتر سے چلی آتی ہے اور جو چیز عوام و خواص کے ہاں بالبداہت معلوم ہے اور مجھے اس میں کسی کا کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے۔

(الزرقانی ص۲۸ ج۲ شرح مواہب طبع مصر)

نمبر (۳)

علامہ سید محمود آلوسی الحنفی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ

وقد سئل الشيخ ولي الدين العراقي هل العلم بكونه صلى الله عليه وسلم بشرا ومن العرب شرط في صحة الايمان او من الفروض

شیخ ولی الدین عراقیؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ جاننا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور عربی ہیں صحت ایمان کے لیے شرط ہے یا یہ فرض کفایہ ہے تو انہوں نے اس کا جواب دیا کہ یہ صحت ایمان

الكفاية فاجاب بانه شرط
في صحة الايمان ثم قال
فلو قال شخص اؤمن
برسالة محمد صلى الله عليه وسلم
الى جميع الخلق لكن لا ادري
هل هو من البشر او من
الملائكة او من الجن او لا
ادري هل هو من العرب
او العجم فلا شك في كفره
لتكذيبه القرآن وجحده
ما تلقته قرون الاسلام
خلفا عن سلف وصار معلوماً
بالضرورة عند الخاص
والعوام ولا اعلم في ذلك
خلافا فلو كان غبيا لا يعرف
ذلك وجب تعليمه اياه فان
جحده بعد ذلك حكمنا بكفره

(تفسیر روح المعانی ص۱۱ ج۴ طبع مصر)

کے لیے شرط ہے۔ سو اگر کسی شخص نے
یہ کہا کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی رسالت کو تمام مخلوق کے لیے مانتا ہوں
لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپ بشر تھے
یا فرشتہ یا جن ؟ یا یہ کہا کہ میں نہیں جانتا
کہ آپ عربی تھے یا عجمی تو اس شخص کے
کفر میں کوئی شک نہیں، کیونکہ اس نے
قرآن پاک کی تکذیب کی ہے اور اس چیز
کا انکار کیا ہے۔ جس کی خلف و سلف
تمام قرونِ اسلام میں تلقی بالقبول کرتے
رہے اور جو چیز خاص و عام کے نزدیک
بالبداہت معلوم ہو چکی ہو اور میں اس میں
کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں جانتا
پس اگر کوئی شخص غبی ہے جو اس کو
نہیں جانتا تو اس کو اس کی تعلیم دینا
واجب ہے۔ اگر تعلیم کے بعد بھی وہ اس
کا انکار کرے تو ہم اس کے کفر کا حکم
دیں گے۔

نمبر (۵) (۶)

علامہ صوفی عمر بن احمد خیر لوتیؒ (صاحب قصیدہ بردہ) (المتوفی سنہ) کا اسی قسم کا
مضمون ملاحظہ ہو۔ (عصیدۃ الشہدۃ شرح القصیدۃ البردۃ ص۹ طبع استنبول اور بحر الرائق
ص۱۲۱ ج۵ میں بھی مجملاً اس کا ذکر ہے۔

غور فرمایئے کہ کس وضاحت سے یہ اکابر علماء اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت اور آپ کے عربی ہونے سے جہالت کو کفر قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ بنیادی عقیدہ ہے

آپ کی بشریت کا ثبوت ایک اور انداز سے

انسان، آدمی اور بشر کا مادہ خاکی اور مٹی سے ہے جیسا کہ قرآن کریم کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے اور مٹی ہی سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خلقت اور پیدائش ہوئی ہے۔ اس میں شک و شبہ کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مادہ کے لحاظ سے مٹی سے ہوئی ہے۔

نمبر ۱

حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ

روی ابن الجوزی فی الوفاء عن کعب الاحبار انہ تعالیٰ لما اراد ان یخلق محمداً صلی اللہ علیہ وسلم امر جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ان یأتیہ بالطینۃ البیضاء فہبط فی ملائکۃ الفردوس وقبض قبضۃ من موضع قبرہ بیضاء نیّرۃ فعجنت بماء التسنیم اھ (شرح الشفاء ص ۳۱۳ ج ۲ طبع مصر)

امام ابن الجوزیؒ نے کتاب الوفاء میں حضرت کعب احبارؒ سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرے، تو اس نے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ وہ سفید مٹی لے آئے، چنانچہ وہ فردوس کے فرشتوں کی جماعت میں اترے اور آپ کی قبر مبارک کی جگہ سے سفید اور درخشندہ مٹی کی ایک مٹھی بھر لی۔ سو وہ مٹی تسنیم کے پانی سے گوندھی گئی۔

اور پھر اسی مقام مبارک میں (جو ہمارے اور جمہور اہل السلام کے عقیدے کے موافق عرش الٰہی سے بھی افضل ہے) آپ بعد از وفات دفن کیے گئے اور اسی مقام میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دفن ہونے کا لازوال شرف حاصل ہوا۔

نمبر ۲

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں کہ

مسئلہ: ممکن ہے کہ بعض اولیاء بعض انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی باقی مٹی سے پیدا ہوتے ہوں، نیز یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی مٹی سے بنے ہوں۔ انتہیٰ (ارشاد الطالبین ص۲۹)

نمبر ۳

(بریلوی فرقہ کے قائد اور روح رواں مولوی احمد رضا خان صاحب کا اقرار)

مولوی احمد رضا خان صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک مٹی سے بنا اور آپ بشر ہیں، چنانچہ وہ ایک مقام پر علامہ خطیب بغدادیؒ کی کتاب المتفق والمفترق کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے طریق سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ابوبکرؓ و عمرؓ ایک مٹی سے بنے۔ اسی میں دفن ہوں گے۔ (السنیۃ الانیقہ ص۵۵) اس حدیث کا تذکرہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو ارشاد الطالبین ص۴۰) اور خان صاحب نے حاشیہ پر اس پر فائدہ یوں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس جس خاک پاک سے بنا صدیقؓ و فاروقؓ اسی مٹی سے بنے۔

بریلوی علماء کے اقوال سے آپؐ کی بشریت کا ثبوت

نمبر ۱: خان صاحب بریلوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف اور جسم انسانی رکھتے ہیں، مگر ارواح و ملائکہ سے ہزار

درجہ الطف وہ خود فرماتے ہیں لست کھیئتکم میں تم جیسا نہیں ویروی لست کہیئتکم
میں تمہاری ہیئت پر نہیں ویروی ایکم مثلی تم میں سے کون مجھ جیسا ہے۔ آخر علامہ
خفاجی رح[1] کا ارشاد سنا کہ حضور کا بشر ہونا نور درخشندہ ہونے کے منافی نہیں اھ (نفی الفیٔ ص۱۰)

نمبر (۲)

اور یہی خان صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ جس طرح اجماع اہل سنت ہے
کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی معصوم نہیں جو دوسروں کو معصوم مانے۔
اہل سنت سے خارج ہے (دوام العیش فی ان الائمۃ من قریش طبع حنفی بریلی ۱۳۳۹ھ
ص۲ حصہ اول)

نمبر (۳)

مشہور بریلوی عالم حکیم مولوی ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب سابق خطیب جامع مسجد
وزیر خان لاہور لکھتے ہیں۔

سوال: نبی کون ہے اور کس لیے دنیا میں آتا ہے؟
جواب: نبی وہ بشر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے لیے آئے اور احکام الٰہیہ
اس پر خدا کی طرف سے بذریعہ وحی آتے ہوں۔
سوال: جس قدر انبیاء گزرے یہ سب بشر تھے یا کچھ اور بھی؟
جواب: انبیاء سب بشر تھے۔
(تحفۂ سلسلۂ دینیات حصہ اول یعنی العقائد ص۱۵ و ص۱۶ مطبوعہ شعبۂ اشاعت مرکزی انجمن
حزب الاحناف لاہور)

اس عبارت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ سب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

---

[1] علامہ خفاجی رح کے الفاظ یوں ہیں وکونہ بشراً لاینافیہ کما توھم الخ
(نسیم الریاض ص۲۸۲ ج۲ طبع مصر)
ترجمہ: اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا نور ہونے کے منافی نہیں جیسا کہ وہم کیا ہے۔

بشر تھے کسی اور نوع سے نہ تھے۔

نمبر (۴)

مولوی نعیم الدین مرادآبادی صاحب کی چند عبارتیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریشی جن کے حسب و نسب کو تم خوب پہچانتے ہو کہ تم میں سب سے عالی نسب ہیں اور تم ان کے صدق و امانت زہد و تقویٰ طہارت و تقدس اور اخلاق حمیدہ کو بھی خوب جانتے ہو اھ (حاشیہ قرآن صفحہ ۳۰ ف ۲) اگر آپ نور ہوتے تو عربی و قریشی اور حسب و نسب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۲) کفار نے پہلے تو بشر کا رسول ہونا۔ قابل تعجب و انکار قرار دیا اور پھر جب حضور کے معجزات دیکھے اور یقین ہوا کہ بشر کے مقدرت سے بالاتر ہیں تو آپ کو ساحر بتایا ان کا یہ دعویٰ تو کذب و باطل ہے، مگر اس میں بھی حضور کے کمال اور اپنے عجز کا اعتراف پایا جاتا ہے۔ (حاشیہ قرآن صفحہ ۳۰۰ ف ۳)

(۳) اور خواص بشر یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور صلحائے بشر عوام ملائکہ سے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن اللہ کے نزدیک ملائکہ سے زیادہ کرامت رکھتا ہے، وجہ یہ ہے کہ فرشتے طاعت پر مجبول ہیں یہی ان کی سرشت ہے۔ ان میں عقل ہے شہوت نہیں اور بہائم میں شہوت ہے عقل نہیں اور آدمی شہوت و عقل کا جامع ہے تو جس نے عقل کو شہوت پر غالب کیا، وہ ملائکہ سے افضل ہیں اور جس نے شہوت کو عقل پر غالب کیا وہ بہائم سے بدتر ہے۔ انتہیٰ (حاشیہ قرآن صفحہ ۴۱۹ ف ۱۵۸)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا ہے جب حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قوم کے پاس بسلسلۂ تبلیغ پہنچے اور حق کی بات انہیں سنائی، تو کافروں نے کہا کہ تم ہمارے جیسے آدمی اور بشر ہو تو ہمیں ان کی پوجا سے روکنا چاہتے ہو، جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ اب تم ہمارے پاس کوئی روشن سند لاؤ۔ اس کے جواب میں۔

قالت لهم رسلهم ان ... ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم

نحن الا بشر مثلکم ولکن — ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے
اللہ یمن علی من یشاء ط — بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا
(پ ۱۳ سورہ ابراہیم ۲) — ہے ۔ !

یہ ترجمہ خان صاحب بریلوی کا ہے اس کے حاشیے پر مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں :

(۴) ف ۳۱ اچھا یہی مانو کہ ہم واقعی انسان ہیں — اور نبوت و رسالت کے ساتھ برگزیدہ کرتا ہے اور اس منصب عظیم کے ساتھ مشرف فرماتا ہے (صفحہ ۳۹۰) اس عبارت میں ان کے ذہن کی ناہمواری دیکھیے کہ نہ تو مانتے بنے نہ انکار کرتے بقول کسے نہ اگلتے بنے نہ نگلتے بنے ۔

(۵) (ایک طویل عبارت کے آخر میں) کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے ، یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے ۔ ہماری بشریت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں ۔ (صفحہ ۴۹۰ ف ۱۲)

یہ جو کچھ کہا ہے بالکل بجا اور درست ہے ، لیکن اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت بھی تو تسلیم کی گئی ہے اور اس فائدے کی ابتداء میں یوں لکھتے ہیں کہ اس میں انما انا بشر مثلکم الآیۃ کی تفسیر کی گئی ہے ، ظاہر میں کہ میں دیکھا بھی جاتا ہوں میری بات سنی بھی جاتی ہے اور میرے تمہارے درمیان میں بظاہر کوئی جنسی مغایرت بھی نہیں ہے ۔ تو تمہارا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ میری بات نہ تمہارے دل تک پہنچے نہ تمہارے سننے میں آئے اور میرے تمہارے درمیان کوئی روک ہو بجائے میرے کوئی غیر جنس یا فرشتہ آتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ نہ وہ ہمارے دیکھنے میں آئیں ، نہ ان کی بات سننے میں آئے ، نہ ہم ان کے کلام کو سمجھ سکیں ۔ ہمارے ان کے درمیان کو جنسی مخالفت ہی بڑی روک ہے ۔ لیکن یہاں تو ایسا نہیں ہے (صفحہ ۴۹) پہلے تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دبی زبان سے واقعی انسان تسلیم کیا تھا ، لیکن یہاں ظاہر اور بظاہر کا لفظ لول کراپنے بدعقیدہ کی وجہ سے اپنے لیے چور دروازے کی گنجائش فراہم کر رہے ہیں ، لیکن ساتھ ہی ساتھ آپ کی بشریت کے اقرار سے مفر بھی نہیں پاتے ، عجیب مخمصے میں الجھے ہوئے ہیں کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن ۔

(۳) مولوی نعیم الدین صاحب نے عقائد پر ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے کتاب العقائد (پہلا حصہ) پہلے ان کی زندگی میں ہندوستان میں طبع ہوا تھا اور اب لاہور میں دو جگہ طبع ہوا ہے۔ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور اور ہفت روزہ سوادِ اعظم لاہور اس رسالے کے صفحہ ۲ پر یہ سرخی قائم کی ہے "نبوت کا بیان" اور اس کے نیچے یہ لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خلق کی راہنمائی کے لیے جن پاک بندوں کو اپنے احکام پہنچانے کے واسطے بھیجا ان کو نبی کہتے ہیں انبیاء بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ الخ اب نوری کتب خانہ کے غازیوں نے بجائے بشر کے نور کا لفظ لکھ مارا ہے اور اس بددیانتی سے وہ اپنا باطل عقیدہ محفوظ رکھنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

(۴) اور اسی کتاب کے صفحہ پر ہے۔

سوال: کیا جن اور فرشتے بھی نبی ہوتے ہیں؟

جواب: نہیں نبی صرف انسانوں میں ہوتے ہیں اور ان میں فقط مرد کوئی عورت نبی نہیں ہوتی انتہیٰ۔

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام انسان آدمی اور بشر تھے اور علی الخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

نمبر ۵

مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی ثم گجراتی لکھتے ہیں۔

نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں جن یا فرشتہ نہیں ہوتے اھ (جاء الحق صفحہ ۱۹۲)

(ناظرین کرام ہم اس بحث کو پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے فتوے پر ختم کرتے ہیں، (فیاض) جناب پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے کسی نے سوال کیا کہ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا، تو اس اثر کے ازالہ کے سلسلہ میں معوذتین کا نزول ہوا۔ سوال یہ ہے کہ آپ پر جادو کا اثر کیا معنی رکھتا ہے؟ تو بظاہر شان نبوت کے خلاف

ہے۔(ملخصاً) اس کا جواب پیر صاحب نے یوں دیا ہے۔

الجواب ھوالصواب: واقعہ مسحوریت ذاتِ بابرکات جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و درست ہے اور معوذتین کا شانِ نزول بھی بالاتفاق مفسرین یہی واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں بکثرت احادیث مروی ہیں، مگر اس واقعہ کے وقوع سے کوئی خدشہ و اعتراض نہیں وارد ہوتا ہے کیونکہ جیسے اور لوازمات بشریہ مثلاً کھانا، پینا، سونا، مریض ہونا، من حیث الانسانیت ذاتِ مبارکہ کے ساتھ لگا ہوا تھا اسی طرح اثر سحر کا بھی من حیث البشریۃ ہے نہ من حیث النبوۃ اھ (فتاوی مہریہ ص ۱۰۱ طبع سول اینڈ ملٹری پریس صدر راولپنڈی) اور اسی فتوی میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

اور اگر مقابلہ من حیث النبوۃ نہ ہو تو پھر نبی کو تکلیف و ایذا پہنچ جانی کوئی مستبعد امر نہیں ہے، بلکہ یہ خاصا بشریت ہے جیسے اور لوازمات بشریہ سے نبی مبرا نہیں ہوتا ویسے ہی دنیاوی تکالیف و مصائب سے بھی پاک نہیں ہو سکتا ہے۔ اھ (ص ۱۰۲)

بابِ دوم

ناظرین کرام! اس باب میں ہم فریقِ مخالف کے دلائل کے جوابات قرآن کریم و احادیث مبارکہ اور مفسرین محدثین فقہاء کرام و صوفیائے عظام کے فرمان و اقوال کی روشنی میں پیش کرتے ہیں (فیامن)

پہلی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے پر پہلی دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ ۔ الآیۃ ۔ (پ۶ مائدہ ۔ ۳)	بے شک تمہارے پاس آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی جس سے اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہو اس کی رضا کا سلامتی کی راہوں کی۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ اس میں لفظ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہے اور چونکہ واؤ عطف سے کتاب کا ذکر کیا گیا ہے اور معطوف و معطوف علیہ متغایر ہوتے ہیں۔ لہٰذا نور الگ شے ہے اور کتاب جُدا۔

الجواب: اس میں لفظ نور سے خود قرآن کریم مراد ہے اور عطف محض تفسیری ہے جس میں معطوف و معطوف علیہ کا ذاتاً تغایر نہیں، بلکہ محض صفت کے لحاظ سے تغایر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم روشنی بھی ہے اور وہ بات کو کھول کر بھی بیان کرتا ہے اور اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا ذکر اسی آیت کے

شروع میں منتقل ہو چکا ہے۔ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ الآية۔ اے اہل کتاب تحقیق سے آیا تمہارے پاس ہمارا رسول ظاہر کرتا ہے تم پر الخ اور آخر میں کتاب کا ذکر ہے جو روشن بھی ہے اور مبین بھی ہے اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ آگے یھدی بہ میں ضمیر مفرد ہے۔ اگر نور سے آپ کی ذات گرامی اور کتاب مبین سے الگ چیز مراد ہوتی، تو ضمیر تثنیہ کی بہا مناسب تھی، لیکن چونکہ نور اور کتاب مبین ایک ہی شے ہے۔ اس لیے ضمیر مفرد کی بہ مناسب رہی۔ گویا سیاق وسباق اور ما قبل وما بعد دونوں اس کے معین ہیں کہ اس مقام پر نور سے قرآن کریم مراد ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر نور قرآن کریم کی صفت بیان ہوئی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر آتا ہے۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا	اور نازل کی ہم نے تمہاری طرف روشنی
(پ النساء ۔ ۲۴)	واضح ۔

اور دوسری جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهٖ وَعَزَّرُوهُ	سو وہ لوگ جو اس نبی آخر الزمان پر
وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِيْ	ایمان لائے اور اس کی رفاقت کی اور
أُنْزِلَ مَعَهُ أُولٰئِكَ	اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝	جو اس پر نازل کیا گیا تو وہ ہی لوگ
(پ ۹ ، اعراف ، ۹)	کامیاب ہیں۔

اور ایک مقام پر اس طرح ارشاد ہوتا ہے کہ

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ	تو نہ جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان
وَلَا الْإِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ	کی تفصیل کیا ہے اور لیکن ہم نے اس
نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ۔ الآية	کتاب کو نور بنایا، اس سے راہنمائی
(پ ۲۵ ۔ الشوریٰ ، ۵)	کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر اس طرح ارشاد ہوتا ہے۔

فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا۔ — سو ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا۔

(پ۲۸۔ التغابن ۸)

ان تمام مقامات میں نور قرآن کریم کو کہا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرین کرامؒ نے نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ میں نور سے قرآن مراد لیا ہے۔ ہاں بعض نے نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی بھی مراد لی ہے لیکن وہی مفسرین کرامؒ اپنی تفسیروں میں دوسرے مقامات پر آپ کی بشریت اور انسانیت کا کھلے لفظوں اقرار کرتے ہیں تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ بشر آدمی اور انسان ہوتے ہوئے نور تھے۔

پہلا اعتراض ہم نے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ کی تفسیر میں جو باتیں عرض کی ہیں، وہ اپنی جگہ بالکل واضح اور صحیح ہیں، مگر ہمارے اس جواب پر بریلوی عالم مولوی غلام رسول سعیدی صاحب مؤلف توضیح البیان اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں ایسی بے شمار نظیریں موجود ہیں جن میں امور متعددہ کی طرف ضمیر واحد کا علیٰ سبیل البدیہۃ الصحیح البدیہۃ کما لا یخفیٰ علی المتدرب۔ متعدد ارجاع کیا گیا ہو لیکن بغض رسالت کا کیا علاج؟ کہ مولوی سرفراز صاحب کو پورے قرآن میں صرف یہی ایک مقام کھٹکتا ہے۔ (توضیح البیان ص۱۳۸)

الجواب مؤلف مذکور کا یہ سب بیان فضول ہے۔ اس لیے کہ ہم نے اس کا انکار تو نہیں کیا کہ متعدد امور کی طرف مفرد کی ضمیر راجع نہیں ہو سکتی اور نہ اس کا انکار کیا ہے کہ قرآن کریم میں اور مقامات نہیں، صرف یہی ایک مقام ہے جس میں متعدد امور کی طرف مفرد ضمیر راجع ہے۔ چونکہ بحث نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ کی چل رہی ہے اس لیے اس مقام کا ذکر ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی بحث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی بیان کردہ شریعت کی پیروی میں ہم نے یہ بیان عرض کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ کو یہ محبت بھی بغض کی صورت میں نظر آئے، اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے۔

دوسرا اعتراض علامہ ابو سعودؒ آیت مذکورہ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

توحید الضمیر المجرور	ضمیر مجرور کو واحد یا تو اس لیے لایا گیا
لاتحاد المرجع بالذات	ہے کہ ان کا مرجع متحد بالذات ہے
او لکونہما فی حکم الواحد	(کیونکہ احکام قرآنی کی جامع انسانی صورت
او ارید بما ذکرہ الخ	اگر مقصود ہو سکتی ہے تو وہ آپ کی ذات
	مقدس ہے اور اگر آپ کی ذات و
	صفات کی اگر کوئی جامع عبارت حامل
	ہو سکتی ہے تو وہ قرآن کریم ہے) یا
	اس لیے کہ دونوں کا حکم ایک ہے۔
	(کیونکہ دونوں واجب الاطاعت ہیں)
	اور یا ضمیر دونوں کی طرف مذکور کی
	تاویل میں راجع ہے (اور یہی وہ جواب
	ہے جو اس قسم کے مواقع پر ہمارا لعلوم مفسرینؒ
	اور شارحینؒ دیا کرتے ہیں۔)

شیخ ابو سعودؒ کی طرح علامہ عبداللہ ابن عمر بیضاویؒ نے انوار التنزیل میں علامہ اسمٰعیل حقیؒ نے روح البیان میں اور دیگر اکابر علماء نے بھی اپنی تفاسیر میں اس قسم کے جوابات دیتے ہیں۔ (توضیح البیان صفحہ ۲۱)

الجواب مؤلف مذکور نے علامہ ابوالسعودؒ کی پوری عبارت ہی نقل نہیں کی کیونکہ اس سے ان کی مختار تفسیر کا پتہ چلتا ہے جو مؤلف مذکور کو مضر ہے۔ ان کی

پوری عبارت یہ ہے۔

والعطف لتنزیل المغایرة بالعنوان منزلة المغایرة بالذات وقیل المراد بالاول هو الرسول علیه الصلوٰة والسلام وبالثانی القرآن یهدی به توحید الضمیر المجرور لاتحاد المرجع بالذات او لکونهما فی حکم الواحد او ارید یهدی بما ذکر۔ (تفسیر ابو السعود ج ۳ ص ۱۷)

یعنی باوجودیکہ نور و کتاب سے ایک ہی چیز مراد ہے، پھر عطف اس لیے ہوا کہ عنوان کی مغایرت کو بمنزلہ مغایرت ذات کے قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے بہٖ کی ضمیر مجرور کو اس لیے مفرد لایا گیا ہے کہ مرجع متحد بالذات ہے (یعنی قرآن کریم جو روشنی کا ذریعہ بھی ہے اور کتاب مبین بھی ہے) یا اس لیے کہ دونوں یعنی کتاب اور نبی واحد کے حکم میں ہیں (یعنی دونوں ہدایت و روشنی کا ذریعہ ہیں) یا مذکور کی تاویل سے یہ مفرد ہے۔

اس تفسیر میں علامہ ابو السعودؒ نے جو بڑے متبحر مفسر ہیں پہلے نمبر پر یہ تفسیر بیان کی ہے کہ نور اور کتاب مبین سے ایک ہی چیز مراد ہے اور پھر باوجود ذات کے ایک ہونے کے عطف اس لیے ہے کہ عنوان الگ الگ ہے (اسی کو ہم نے تنقید متین ص ۱۲۱ میں یوں تعبیر کیا ہے۔ اس میں لفظ نور سے خود قرآن کریم مراد ہے اور عطف محض تفسیری ہے جس میں معطوف اور معطوف علیہ میں ذاتاً تغایر نہیں، بلکہ محض صفت کے لحاظ سے تغایر ہے الخ) اور پھر لفظ قیل سے جو عموماً کمزور اور ضعیف قول پر بولا جاتا ہے، یہ تفسیر کی ہے کہ نور سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے اور پھر ضمیر کو مفرد لانے کی وجہ اوّل یہ بیان کی ہے کہ چونکہ نور اور کتاب مبین سے ایک ہی چیز مراد ہے جو قرآن کریم ہے۔ اس لیے ذات کے متحد ہونے کی وجہ سے ضمیر مفرد ہے اور یا اس لیے ضمیر مفرد ہے کہ دونوں یعنی کتاب اور نبی ہدایت اور روشنی کا ذریعہ ہیں یا باعتبار مذکور کے ضمیر مفرد آئی ہے اور اکثر مفسرین کرامؒ نے یہی مطلب لیا ہے جو علامہ ابوالسعودؒ نے بیان فرمایا ہے۔ مؤلف مذکور کو غور کرنا چاہیے کہ علامہ ابوالسعودؒ کی تفسیر سے ان کو کیا فائدہ حاصل ہوا اور اس سے ہمیں کیا نقصان ہوا۔ کیا علامہ ابوالسعودؒ نے وہی کچھ نہیں فرمایا جو ہم نے کہا ہے ؟

تیسرا اعتراض مولوی غلام رسول سعیدی صاحب اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ جب ضمیر واحد ہے تو مرجع بھی واحد ہونا چاہیے، تو چلیے یہی سہی، لیکن یہ کب ضروری ہے کہ اگر مرجع واحد ہو تو نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن ہو، یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ دونوں سے مراد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ ہو اور یہی جواب ملا علی القاریؒ نے شرح شفاء میں اور علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں دیا ہے۔ جسے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔ (توضیح البیان صفحہ ۱۴۸)

الجواب حضرت ملا علی القاریؒ نے وقد حاول بعض المفسرین الخ کے الفاظ سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ کتاب مبین سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہو، جیسا کہ نور سے بھی مراد آپ کی ذاتِ مقدسہ ہے اور چونکہ ذات ایک ہے اور تغایر لفظی ہے، للذا ضمیر مفرد لائی گئی ہے۔ سو عرض یہ ہے کہ مؤلف مذکور کو شاید کسی لائق اور فنی استاد نے یہ بتایا ہو کہ لفظ بعض کی جب جمع کی طرف اضافت ہوتی ہے، تو اس سے اکیلا دوکیلا ہی مراد ہوتی ہے نہ کہ اکثریت۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کے سیاق و سباق اور دیگر دلائل متواترہ اور براہینِ قطعیہ اور جمہور مفسرین کرامؒ کی رائے کو ترک کر کے اکیلے دوکیلے مفسرین کے قول پر عقیدہ کی عمارت کیسے کھڑی کی جا سکتی ہے۔ یہ تو ہوگا کہ تفنن کے طور پر ایک تفسیر بعض سے یہ بھی منقول ہے اور ید اللہ علی الجماعۃ

کے زریں اصول اور ضابطہ کو چھوڑ کر شاذہ اور نادرہ کے پیچھے پڑنا دین کی کون سی خدمت ہے
اسی طرح علامہ آلوسیؒ نے صرف ایک احتمال کے درجے میں یہ تفسیر نقل کی ہے ولا یبعد ان یراد بالنور والکتاب المبین صلی اللہ علیہ وسلم الخ (ترجمہ: اور بعید نہیں کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے نبی علیہ السلام کی ذات مقدسہ مراد ہو) آپ خود ہی انصاف سے فرمائیں کہ کیا محض ایسے احتمالات سے دین کا کوئی بنیادی مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے؟ یا اس طرح کے احتمالات پر عقائد کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے؟ ایسے احتمالات کا اگر دین کے اصول و ضوابط سے ٹکراؤ نہ ہو تو قبول کیے جا سکتے ہیں بصورت دیگر وہ خود قابل تاویل ہوتے ہیں۔ یہ بھی نہ ہو تو مردود ہوتے ہیں۔ بقول قلندر لاہوری"

؎ اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

چوتھا اعتراض | تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازیؒ اسی آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

وفیہ اقوال (الاول) ان المراد بالنور محمد وبالکتاب القرآن (والثانی) ان المراد بالنور الاسلام وبالکتاب القرآن (الثالث) النور والکتاب ھو القرآن وھذا ضعیف لان العطف یوجب المغایرۃ۔

اور اس آیت میں کئی اقوال ہیں، پہلا یہ کہ بے شک نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے قرآن کریم دوسرا یہ کہ نور سے اسلام مراد ہے اور کتاب سے قرآن، تیسرا یہ کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہو اور یہ کمزور بات ہے کیونکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے۔

اب غالباً مولوی سرفراز صاحب کو پتہ چل گیا ہوگا کہ جس قول پر انہوں نے اپنے عقیدے کی عمارت کھڑی کی ہے۔ وہ تیسرے درجے کا قول ہے جس کو امام رازیؒ نہایت کمزور قرار دیتے ہیں۔ (توضیح البیان ص۱۴۲)

الجواب گزارش ہے کہ اگرچہ امام رازیؒ نے اس کو صرف کمزور کہا ہے (نہایت کمزور نہیں فرمایا) لیکن دیگر جمہور مفسرین کرامؒ اسی کو قوی و مختار قرار دیتے ہیں۔ جن میں علامہ ابوالسعودؒ بھی ہیں جن کی عبارت عرض کی جاچکی ہے اور امام رازیؒ نور سے اسلام بھی مراد لے رہے ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ص ۱۸۹ ج ۱۱) آپ ان کی اس قوی تفسیر کو کیوں نظر انداز کرتے ہیں۔

پانچواں اعتراض مولوی غلام رسول سعیدی صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے پر کئی اقوال نقل کرتے ہیں اور عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ دیکھو یہ تمام مفسرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور مان رہے ہیں اور مولوی سرفراز حضورؐ کے نور ہونے کا انکار کرتا ہے، چنانچہ ان کے اقوال پورے پورے نقل کرنے کے بجائے صرف حوالوں پر ہی اکتفاء کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہوں توضیح البیان ص ۱۴۲ اور ص ۱۴۳ میں حضرت امام رازیؒ اور حضرت ملا علی القاریؒ اور علامہ آلوسیؒ سے یہ نقل کرنا کہ نور سے آپؐ کی ذات بھی مراد ہو سکتی ہے، بلکہ بقول علامہ آلوسیؒ آپ نور الانوار ہیں اور ص ۱۴۴ میں اس تفسیر کو قتادہؒ اور زجاج سے نقل کرنا اور اس کو ان کا مختار قرار دینا اور ص ۱۴۵ میں تفسیر جلالین اور صاوی اور ابوالسعود سے یہ نقل کرنا کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے اور اسی طرح ص ۱۴۸ میں تفسیر بیضاوی، خازن اور نسفی سے اور ص ۱۴۹ میں روح البیان کے حوالے سے یہ نقل کرنا کہ نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ص ۱۵۱ میں امداد السلوک ص ۸۶ کے حوالے سے اور مولانا تھانویؒ کے رسالہ النور ص ۱۳ کے حوالے سے اور مولانا عثمانیؒ کے تفسیر کے حوالہ سے یہ نقل کرنا شاید نور سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے اور پھر ص ۱۵۲ میں رسالہ التوسل ص ۵۳ اور قاضی عیاضؒ کی شفاء ص ۱۰ سے اور ص ۱۵۳ میں حضرت ملا علی القاریؒ کی شرح شفاء ص ۴۳ ج ۱ سے اور پھر تفسیر خازن سے اور ص ۱۵۵ میں تفسیر کبیر کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نور اور سراج منیر ہونے کے حوالے نقل کرنا وغیرہ وغیرہ!

الجواب یہ حوالے سب برحق ہیں اور ان میں کوئی ایک حوالہ بھی ہمارے خلاف نہیں ہے، بلکہ سب ہمارے مؤید ہیں۔ مؤلف مذکور نے اپنے ناخواندہ حواریوں پر محض اپنا علمی رعب ڈالنے کے لیے یہ غیر متعلق حوالے نقل کرکے کتاب کا حجم خواہ مخواہ بڑھایا ہے، اس کا کون سا مسلمان منکر ہے؟ ہم خود قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ الاٰيۃ کی یہ تفسیر نقل کرنے کے بعد کہ ان دلائل و قرائن کے تحت نور سے قرآن کریم مراد ہے اور عطف تفسیری ہے، مگر دوسری تفسیر کو بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ تنقید متین ص۱۱۲ میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرینؒ نے نورٌ و کتابٌ مبین میں نور سے قرآن مراد لی ہے۔ ہاں بعض نے نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی بھی مراد لی ہے، لیکن وہی مفسرین کرامؒ اپنی تفسیروں میں دوسرے مقامات پر آپ کی بشریت و انسانیت کا کھلے لفظوں اقرار کرتے ہیں، تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپؐ بشر، آدمی اور انسان ہوتے ہوئے نور تھے، جیسا کہ ہم نے ابتداء میں عرض کیا ہے۔ الخ قارئین کرام ہماری طرف سے اتنی اور ایسی واضح تصریح کے بعد مؤلف مذکور کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کے حوالے پیش کرنے سے ان کو کیا فائدہ ہے اور ہمیں کیا نقصان ہے؟ اکثر مفسرین کرامؒ نے اس مقام پر نور سے قرآن کریم ہی مراد لی ہے۔ اگر اس بارے میں مؤلف مذکور کو شبہ ہو تو کتب تفسیر بھی موجود ہیں اور ان شاء اللہ العزیز قلم بھی موجود ہے اور یہ اکثر و بیشتر مفسرین کرامؒ اہل سنت والجماعت ہی سے متعلق ہیں، سو اصول عربیت کے تحت اس تفسیر میں ان کے ساتھ بعض معتزلہ بھی شریک ہیں۔

چھٹا اعتراض مولوی غلام رسول سعیدی صاحب توضیح البیان میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کی نفی کرنے والے معتزلہ ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر میں مرقوم ہے۔

وقال ابو علی الجبائی عنی — ابو علی جبائی نے کہا نور سے مراد قرآن کریم

بالنور القرآن لكشفه و ہے۔ کیونکہ وہ حقائق کا کشف و بیان

اظهاره طرق الهدى واليقين و ہدایت کے طریقوں کو ظاہر کرتا ہے

واقتصر على ذلك الزمخشري اور زمخشری نے اسی تفسیر پر اکتفاء کیا ہے

اور زمخشری صاحب کشاف کا کیا مذہب ہے۔ نیز اسی ص۲۸ میں ہے وکان

صاحب الكشاف يكني نفسه ابا المعتزلة ۔ صاحب کشاف نے اپنی کنیت

ابو معتزلہ رکھی تھی۔ نیز اس ص۲۹ پر ابو علی جبائی کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے۔ ابی علی جبائی هو

محمد ابن عبد الوهاب من معتزلة بصرة ۔ ابو علی جبائی کا نام محمد ابن عبد الوہاب

تھا اور وہ معتزلہ بصرہ سے تھا۔ نیز اس کے ان حوالوں سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ ابو علی جبائی

اور زمخشری دونوں معتزلہ تھے اور روح المعانی کی عبارت سے واضح ہو گیا کہ یہی معتزلہ

نورانیت نبی کا انکار کر کے نور کا قرآن میں انحصار کرتے ہیں۔ (توضیح البیان ص۱۵۵ و ص۱۵۶)

الجواب مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب کی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کی نفی کرنے والے معتزلہ ہیں غلط ہے کیونکہ قَدْ جَاءَ

كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ سے قرآن کریم مراد لینا معتزلہ کا نظریہ نہیں، بلکہ اہل سنت والجماعۃ

نے بھی نور سے مراد قرآن لیا ہے۔ چنانچہ امام ناصر الدین ابی الخیر عبد اللہ بن عمر البیضاوی رح

(المتوفی ۶۹۱ھ) قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

يعني القرآن فانه الكاشف یعنی قرآن اس لیے کہ وہ شک اور گمراہی

لظلمات الشك والضلال کی تاریکیوں کو کھولنے والا ہے اور کتاب

والكتاب الواضح الاعجاز واضح اعجاز ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

وقيل يريد بالنور محمد نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

صلى الله عليه وسلم۔

(تفسیر بیضاوی ص۲۹۵ ج۲ طبع مصر)

امام بیضاوی رح کی اس تفسیر سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ پہلی بات یہ کہ نور سے مراد قرآن کریم

ہے اور دوسری بات یہ کہ بعض نے نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مراد لیے ہیں۔ اگر نور سے قرآن کریم مراد لینا معتزلہ کا مسلک ہے، تو کیا امام بیضاویؒ بھی معتزلہ میں شامل ہیں، ان پر بھی معتزلہ ہونے کا فتویٰ صادر فرمایئے، امام بیضاویؒ کی اس تفسیر سے ہماری تائید ہوتی ہے، رہی یہ بات کہ بعض لوگوں نے نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مراد لیے ہیں۔ اس کے ہم بھی بالکلیہ منکر نہیں، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، کیونکہ جن مفسرین نے نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیے ہیں، تو ان کے نزدیک بھی یہ نور ہدایت کے معنی میں ہے اور انہوں نے بشریت کا انکار بھی نہیں کیا، ضرورت تو نہیں کہ اس پر اور بحث کی جائے، مگر ایک دو حوالے مزید پیش کیے جاتے ہیں ملاحظہ ہوں۔ امام محمد بن یوسف الشہیر بابی حیان الاندلسی الغرناطی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۴ھ) اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

قیل القرآن سماہ نورا لکشفہ ظلمات الشرک والشک اولانہ ظاہر الاعجاز الخ (تفسیر البحر المحیط ص ۴۴۸ ج ۳ طبع بیروت)

کہا گیا ہے کہ وہ قرآن ہے، نام رکھا ہے اس کا نور اس لیے کہ وہ شرک اور شک کی تاریکیوں کو کھولنے والا ہے یا اس لیے کہ وہ واضح اعجاز ہے۔

اور علامہ شیخ محمد عبدہ مصری (المتوفی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) بھی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

فی المراد بالنور ھنا ثلاثۃ اقوال احدھا انہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثانیھا انہ الاسلام ثالثھا انہ القرآن الخ (تفسیر المنار ص ۳۰۴ ج ۶)

نور سے مراد اس جگہ تین قول ہیں ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرا یہ کہ اسلام ہے اور تیسرا یہ کہ قرآن کریم ہے۔

ناظرین کرام! ہم نے تین حوالے پیش کر دیے ہیں کہ نور سے مراد قرآن کریم ہے اور یہی تفسیر زیادہ راجح ہے، سعیدی صاحب کا یہ کہنا کہ یہاں سے قرآن مراد لینا معتزلہ کا مذہب ہے، ایک صریح جھوٹ سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا، کیونکہ اہل سنت کے مفسرین تو

بھی قرآن مراد لیا ہے۔ روح المعانی کی جو عبارت انھوں نے پیش کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت سے صرف اور صرف قرآن کریم ہی مراد لیا جا سکتا ہے اور کوئی چیز مراد نہیں لی جا سکتی۔ علامہ آلوسیؒ اس بات کی تردید کر رہے ہیں کہ معتزلہ نے اس آیت کی تفسیر کو اس میں منحصر کر دیا اور یہ بات ہم بھی تسلیم نہیں کرتے کہ اس آیت کی اور کوئی تفسیر نہیں ہو سکتی ہم یہ کہتے ہیں کہ راجح تفسیر قرآن کریم مراد لینے والی ہے، کیونکہ مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال بیان کیے ہیں جیسا کہ سعیدی صاحب نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ معتزلہ نے قرآن ہی کو اس تفسیر میں منحصر کر دیا ہے۔ (فیاض)

دوسری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کی دوسری دلیل یوں پیش کی گئی ہے کہ امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابرؓ ابن عبداللہ سے روایت بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھے خبر دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ

یا جابر ان اللہ قد خلق	اے جابرؓ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام
قبل الاشیاء نور نبیک	اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور
من نورہ۔ الحدیث	(کے سبب) سے پیدا کیا ہے۔

(زرقانی شرح مواہب ج۱ ونشر الطیب ص۵)

الجواب اس روایت سے آپ کے نور ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، لیکن یہ احتجاج درست نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس کی سند کا علم نہیں کہ کیسی ہے اور امام عبدالرزاق شیعہ تھے گو غالی نہ تھے، مگر بعض چیزوں میں وہ منفرد ہیں۔ ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۳۳۱) اور خصوصاً فضائل کے بارے میں تو انھوں نے ایسی روایات بھی بیان کی ہیں۔ جن میں ان کا ساتھ کسی نے نہیں دیا، چنانچہ ملک المظفر ابو بکر بن ایوب الحنفی (المتوفی سنہ ۶۲۴ھ) لکھتے ہیں کہ

قال ابن عدی حدیث عبد الرزاق	(محدث) ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ عبد الرزاق
باحادیث فی الفضـــائل لم	نے فضائل کے باب میں ایسی روایات
یوافقه احد علیها الخ	بھی بیان کی ہیں جن میں ان کی کسی نے
(السہم المصیب صـ۱۳)	موافقت نہیں کی۔

اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ علامہ محمد طاہر الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۹۸۶ھ) لکھتے ہیں کہ عبد الرزاق بن ہمام آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور ان کے بھانجے احمد بن عبد اللہ نے ان کی کتابوں میں باطل روایتیں بھی داخل کر دی تھیں جس کی وجہ سے وہ کاذب مشہور ہو گئے تھے (قانون الموضوعات صـ۲۷۶) یعنی خارجی طور پر ان کے بھانجے کی کارستانی اور نالائقی کی وجہ سے یہ نظریہ بعض لوگوں نے ان کے بارے میں قائم کر لیا تھا ورنہ ذاتی طور پر وہ ثقہ اور ثبت تھے۔ و ثانیاً مصنف عبد الرزاق کتب حدیث کے طبقۂ ثالثہ میں شمار ہے اور اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ (المتوفی سنہ ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں کہ

واکثر آن احادیث معمول بہ نزد	اس طبقہ کی اکثر احادیث پر فقہاء کرام
فقہاء نشدہ اند بلکہ اجماع برخلاف	کے نزدیک عمل نہیں ہوا، بلکہ ان کے
آنہا منعقد گشتہ (عجالۂ نافعہ صـ۷)	خلاف اجماع منعقد ہوا ہے۔!

یعنی اس طبقہ کی سب ہی روایات بے بنیاد نہیں، بلکہ اکثر ایسی ہیں خصوصاً جو قرآن کے خلاف ہیں۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ (المتوفی سنہ ۱۳۷۳ھ) مصنف عبد الرزاق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اور چونکہ کتاب مذکور میں صحیح حدیثوں کے ساتھ ساتھ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور فضائل و مناقب میں ان کی روایتوں کا کم اعتبار کیا جاتا ہے۔ اس لیے اصولی حیثیت سے اس روایت کے تسلیم کرنے میں پس و پیش ہے۔ اس تردد کو قوت اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ صحیح احادیث میں مخلوقات الٰہی میں سب سے پہلے قلم میں تقدیر کی پیدائش کا تصریحی بیان ہے کہ اول ما خلق اللہ القلم (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج۳) و ثانیاً یہ روایت اس صحیح روایت کے خلاف ہے جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ

ان اول ماخلق اللہ القلم فقال لہ اکتب الحدیث (ابو داؤد ج۲ ص۲۹۰ و طیالسی ص۷۹ و ترمذی ج۲ ص۱۴۷ وقال حسن صحیح غریب والبدایۃ والنہایہ ج۱ ص۸ وقال اخرجہ احمد)	بے شک سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا، پس اس سے فرمایا کہ تو لکھ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ

والوارد فی اول ماخلق اللہ حدیث اول ماخلق اللہ القلم وھو ثبت اھ (بحوالہ موضوعات کبیر ص۳۱)	یعنی سب سے پہلی مخلوق کے بارے میں جو پایۂ ثبوت تک پہنچنے والی روایت وارد ہے، وہ اَوّلُ مَاخَلَقَ اللہُ القَلَمُ ہے۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم تقدیر پیدا کیا ہے جب صحیح روایت سے قلم کی اولیت ثابت ہے، تو بلا وجہ اس کو بجائے اول حقیقی کے اول اضافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں ہے اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ محققین شراح حدیث اور ارباب تاریخ نے جہاں اول المخلوقات کی تحقیق و بحث کی ہے وہاں قلم عرش اور عقل وغیرہ کا ذکر تو کیا ہے مگر نور کا ذکر وہ نہیں کرتے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ نور والی روایت ان کے نزدیک ثابت نہیں، ورنہ اختلاف کے مقام پر تو ضرور اس کا تذکرہ کر دیتے۔ ہاں ملا علی القاری نے مرقات ج۱ ص۱۴۶ اور جمع الوسائل میں اول مخلوقات آپ کا نور ذکر کیا ہے، لیکن خود ان کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ نور سے مراد روح ہے۔ در اصل جس طرح روایت میں آپ کے نور کی اولیت کا ذکر آتا ہے۔

اسی طرح روح مبارک کی اوّلیت کا ذکر بھی ہے، چنانچہ حضرت ملا علی القاریؒ الحنفی فرماتے ہیں کہ

فانه کما قال صلی اللہ علیه وسلم اوّل ما خلق اللہ روحی وسائر الارواح انما خلقت ببرکة روحه ونور وجوده اھ (شرح الشفاء ص۱۶ ج۱ طبع مصر)

پس بے شک جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کی اور باقی تمام ارواح آپ کی روح اور آپ کے وجود کے نور کی برکت سے پیدا ہوئے

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ

قوله اوّل ما خلق اللہ نوری وفی روایة روحی ومعناهما واحد فان الارواح نورانیة ای اوّل ما خلق اللہ من الارواح روحی انتهٰی (مرقات ص۱۲۶ ج۱ طبع امدادیہ ملتان)

آپ کا ارشاد ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ میری روح پیدا کی اور دونوں کا مطلب ایک ہی ہے کیونکہ ارواح نورانی چیز ہے تو مطلب یہ ہوا کہ سب ارواح سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح اوّل ما خلق اللہ نوری کی روایت آتی ہے اسی طرح اوّل ما خلق اللہ روحی کی روایت بھی آتی ہے اور نور سے روح مراد ہے کیونکہ وہ بھی ایک نورانی چیز اور جوہر لطیف ہے جو پورے بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے اور علامہ احمد بن محمد الخفاجی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) لکھتے ہیں کہ

ان اللہ خلق روحه قبل سائر الارواح وخلع علیها خلعة التشریف بالنبوة

بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح مبارک کو تمام ارواح سے پہلے پیدا کیا اور اس کو خلعت نبوت سے مشرف کیا۔

الیٰ ان قال وھٰذہٖ ھو المراد بقولہٖ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اللّٰہ خلق نورہٗ قبل ان یخلق آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام الخ

پھر آگے فرمایا کہ اور یہی مراد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے پہلے آپ کا نور پیدا کیا۔

(نسیم الریاض صفحہ ۲۰۱ ج ۱ طبع مصر)

غالباً انہی حوالوں کے پیش نظر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے نورِ محمدی کا مطلب روحِ محمدی (علیٰ صاحبہ الف الف تحیۃ) بیان کیا ہے (حاشیہ نشر الطیب صفحہ ۵) اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے، جیسا کہ شیخ عبد الحق صاحبؒ نے مدارج النبوۃ ج ۲ میں دعویٰ کیا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں، لہٰذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں، ہاں اس سے نصوصِ قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا کہ بعض اہل بدعت کا وطیرہ ہے قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے۔ ہماری تحقیق کی رو سے مسئلہ حاضر و ناظر، علم غیب اور نور وغیرہ اہل بدعت نے شیعہ سے لیا ہے، مگر خود شیعہ کی معتبر و مستند کتاب اصول کافی میں تصریح ہے کہ نور سے مراد روح ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ یا محمد انی خلقتک وعلیاً نوراً یعنی روحاً بلا بدن اھ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے تجھے اور علی رضی اللہ عنہ کو نور پیدا کیا یعنی روح بلا بدن۔

(اصول کافی مع الصافی صفحہ ۱۴۳ ج ۱ حصہ دوم طبع لکھنؤ)

اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ کے نزدیک بھی نور سے مراد روح ہے۔ الغرض اس روایت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا (جس کا ثبوت نصوصِ قطعیہ سے ہے) انکار کرنا بالکل مردود ہے۔!

فائدہ اور بھی متعدد الفاظ آپ کے نور ہونے کے مضمون کے مروی ہیں، مثلاً یہ کہ اول ما خلق اللّٰہ نوری انا من نور اللّٰہ بل مؤمنون منی ان اللّٰہ لما خلق نور نبیاً امرہ ان ینظر الی انوار الانبیاء الخ اور لما خلق اللّٰہ آدم جعل ذٰلک النور فی ظہرہ الخ مگر کوئی بھی صحیح نہیں۔ من ادعی صحتہا فعلیہ البیان بالبرھان۔!

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چہرے کے نور سے ایک مٹھی لی پھر آگے لکھا کہ وہ مٹھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ اسی سے سارا جہاں پیدا ہوا اور یہ کہ آپ اپنے والدین کی خلقت سے پہلے ہی موجود تھے اور آپ جبریل علیہ السلام کی آمد سے پہلے ہی قرآن کے حافظ تھے۔ اس روایت کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ کل ذٰلک کذب مفتری باتفاق اھل العلم بحدیثہ انتہیٰ (آثار المرفوعہ ص۴۲ مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ) یہ سب کا سب جھوٹ اور افتراء ہے۔ علم حدیث کے جاننے والوں کا اس پر اتفاق ہے اور ایک روایت میں آتا ہے خلقنی اللّٰہ من نورہ وخلق ابا بکر من نورہ الخ لیکن اس کی سند میں احمد بن یوسف المنبجی ہے۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد الکنانیؒ (المتوفی ۹۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابونعیمؒ فرماتے ہیں کہ ھٰذا باطل، اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ھٰذا اکذب (تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ص۳۳۷) ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ قرآن پاک کے نصوص قطعیہ اور صحیح و متواتر احادیث کی تاویل بیجا کریں اور معاذ اللہ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوں اور آتش دوزخ کا ایندھن بنیں۔

پہلا اعتراض ناظرین کرام ہم نے فریق مخالف کی دلیل ثانی یعنی حدیث جابرؓ کے جواب میں جو بات عرض کی ہے، وہ اپنی جگہ بالکل صحیح اور واضح ہے مگر ہمارے اس جواب پر بھی فریق مخالف نے اعتراضات کیے ہیں۔ ہم ان کو بیان

نقل کر کے بالترتیب ان کے جوابات بھی نقل کرتے ہیں۔

مولوی غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں۔

حدیث جابرؓ کو جن اکابر علماء اہل سنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا، ان کا بیان یہ ذکر کیا جاتا ہے۔ اگر یہ روایت ضعیف ہوتی یا قابل عمل نہ ہوتی تو یہ اکابر علماء اپنی کتابوں میں اسے کیوں نقل کرتے۔ مثلاً جنہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ یہ ہیں۔ امام احمدؒ کے استاد اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاذ الاستاد، امام عبدالرزاقؒ اپنی تصنیف میں اور امام بیہقیؒ دلائل النبوۃ میں حضرت جابرؓ سے مرفوعاً خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ الحدیث روایت کرتے ہیں اور امام قسطلانی مواہب اللدنیہ مقصد اول میں ارقام فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کا ارادہ مخلوق کو پیدا کرنے کا اور اس کے رزق مقرر کرنے کے ساتھ متعلق ہوا، تو اس نے حقیقت محمدیہ کو صمدی انوار بارگاہ احدیت میں ظاہر فرمایا الخ اور اس کی شرح میں امام زرقانیؒ شرح مواہب میں ارقام فرماتے ہیں کہ

اور جز این نیست کہ حقیقت محمدیہ ہی تمام حقائق کی حقیقت ہے۔ کیونکہ حقیقت محمدی کا ثبوت خلق وسطیہ میں ہے جو عین نور احمدی ہے جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔ امیر عبدالقادر الجزائری الحسنی اپنی کتاب مواقف کے موقف نمبر ۸۹ میں فرماتے ہیں کہ بلاریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت وہ رحمت مکملہ ہے جس نے ہر شیئ کا احاطہ کر لیا ہے الی قولہ اور بالتحقیق حدیث شریف میں وارد ہوا کہ اے جابر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا اور سید عبدالکریم جیلی ناموس اعظم کی کتاب النور باب اول میں یہ فرماتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سعادت کبریٰ اور تمام لوگوں کے لیے ظاہری و باطنی نمونہ بنا کر پیدا فرمایا اور وجود میں آپ کا مرتبہ اللہ نے سب سے پہلے رکھا جس کے اوپر اور کوئی مرتبہ نہیں ہے اور شیخ عبداللہ البوسنوی مطالع النور السنی کے مطلع اول میں فرماتے ہیں کہ یاد رکھو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ اسماء الٰہیہ کے آثار کے ظہور

سے بارگاہ الوہیت کی تجلیات کی معرفت کرائے بلکہ اس نے سب سے پہلے مدرج محمدی کو جامع صورت پر پیدا کیا۔ الی قولہ جیسا کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا، تو آپ نے فرمایا اے جابرؓ وہ تیرے نبی کا نور ہے جس کو اللہ نے اپنے نور کے سبب سے پیدا فرمایا الخ مدارج النبوۃ میں شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں بہرکیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود میں اول ہونا پس وہ اس لیے ہے کہ پہلی وہ چیز جس کو اللہ نے پیدا کیا، وہ میرا نور ہے اور نبوت میں اول ہونا اس لیے ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی زمین پر افتادہ تھے۔ ان اکابرین کے علاوہ امام ابن حجر مکیؒ علامہ فارسیؒ علامہ دیار بکریؒ سیدی عبدالحق نابلسیؒ امام ابوالحسن اشعریؒ وغیرہم نے بھی اس مضمون کو اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے اور اس پر اظہار اعتماد فرمایا ہے (محصلہ توضیح البیان ص ۵۹ تا ۶۱)

الجواب مؤلف مذکور کی یہ ساری کاوش بے سود ہے اولاً اس لیے کہ اس روایت کا مدار امام عبدالرزاقؒ کی سند پر ہے اس کے بعد مؤلف مذکور اس روایت کے بارے میں امام بیہقیؒ کی دلائل النبوۃ کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ ان کا فریضہ تھا کہ امام عبدالرزاقؒ اور امام بیہقیؒ کی سند اور اس کے رواۃ کتب اسماء الرجال سے با حوالہ نقل کر کے توثیق نقل کرتے تاکہ ہمارے اس اعتراض کا جواب ہو جاتا کہ اس کی سند کا علم نہیں کہ کیسی ہے اور امام عبدالرزاقؒ شیعہ تھے گو غالی نہ تھے مگر بعض چیزوں میں وہ منفرد ہیں۔ ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا اور امام ابن عدیؒ کے حوالہ سے ہم نے لکھا ہے کہ عبدالرزاقؒ نے فضائل کے باب میں ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن میں ان کی کسی نے موافقت نہیں کی اور ان کے بھانجے احمد بن عبداللہ نے ان کی کتابوں میں باطل روایتیں بھی داخل کر دی تھیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے امام عبدالرزاق کی مصنف کو طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے اور اول ما خلق اللہ القلم کی صحیح روایت اس کے خلاف ہے آپ ہی کے اعلیٰ حضرت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لیے ثبوت

چاہیے۔ بے ثبوت نسبت جائز نہیں الخ (عرفان شریعت حصہ سوم ص۱۲) اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ بغیر سند کے اور اس کے رواۃ کی توثیق کے حدیث کا ثبوت نہیں ہو سکتا؟ ہم نے جو حدیث اول خلق اللہ القلم پیش کی ہے۔ ابو داؤد اور ترمذی کا حوالہ دے کر جو صحاح ستہ کی مرکزی کتابیں ہیں ساتھ تصحیح بھی نقل کی ہے، لہٰذا اس کے مقابلہ میں یہ روایت جس کی سند ہی معلوم نہیں کیا حیثیت رکھتی ہے؟ خان صاحب بریلوی ہی تحریر کرتے ہیں کہ بعض جہّال بدمست یا نیم ملّا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی باد بدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابلہ میں بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعہ یا متشابہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف متعین کے آگے محتمل محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے الخ (احکام شریعت حصہ اول ص۱۲)

وثانیاً یہ بیشتر حوالے مؤلف مذکور نے اپنے اعلیٰ حضرت کی کتابوں مثلاً نفی الفئ اور صلات الصفا وغیرہ سے نقل کیے ہیں اور خان صاحب صلات الصفاء ص۳ میں اس روایت کو امام عبد الرزاقؒ کے مصنف کی طرف منسوب کرتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ امام اجل سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ اور امام بخاریؒ و امام مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث احد الاعلام عبد الرزاق ابو بکر بن ہمام نے اپنی مصنف میں حضرت سیدنا وابن سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی الخ کتاب مصنف عبد الرزاق طبع ہو چکی ہے۔ ہم مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے نہایت ہی مشکور ہوں گے کہ وہ یہ روایت مصنف سے ہمیں بتا دیں اور ان کے اعلیٰ حضرت ہی صلات الصفاء ص۳ میں لکھتے ہیں کہ۔ یہ حدیث امام بیہقیؒ نے بھی دلائل النبوۃ میں بنحوہ روایت کی الخ اس سے معلوم ہوا کہ امام بیہقیؒ کی نقل کردہ روایت کے الفاظ بعینہا وہ نہیں جو امام عبد الرزاقؒ کی روایت کے ہیں، اور ان کے اعلیٰ حضرت بنحوہ نہ کہتے بمثلہ کہتے (کیونکہ محدثین کرامؒ کے نزدیک جب روایت بالمعنیٰ ہو تو اس موقع پر وہ او کما قال او نحوہ اور شبہہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص۲۱۲ وغیرہ) اور چونکہ اس روایت میں مرکزی الفاظ نور کے ہیں اس لیے

خان صاحب کے بتوہ کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دلائل النبوۃ للبیہقیؒ کی روایت میں شاید یہ لفظ نہیں ہیں۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خان صاحب نے اس کے الفاظ نقل نہیں کیے، ورنہ وہ ایسے موقع پر ان کو کبھی نظر انداز نہ کرتے۔ بہر حال اصل حقیقت تو دلائل النبوۃ کی روایت کے الفاظ اور اس کی سند سامنے آنے ہی سے واضح ہو سکتی ہے ویسے نہیں۔

وثانیاً مؤلف مذکور نے بعض بزرگوں سے اس مضمون کی اجمالاً و تفصیلاً کچھ عبارات نقل کی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سب سے پہلے پیدا ہوا اور اس لحاظ سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے کہ ان بزرگوں نے اس سے استدلال کیا ہے اور علامہ آلوسیؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے روح محمدی کی خلقت ہوئی۔ لیکن ان تمام حوالوں سے ان کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حدیث کی صحت اتصال سند اور اس کے رواۃ کے ثقہ ہونے سے ثابت ہوتی ہے محض اس کو نقل کرنے سے اس کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی کما لا یخفی۔ اور نہ صرف نقل کرنے سے اظہار اعتماد ہوتا ہے خصوصاً ان حضرات کی نقل جو محض صوفی اور بزرگ ہیں اور فن حدیث کی پرکھ اور نقد و جرح کی مہارت ان کو نہیں۔

علاوہ ازیں ہم نے تنقید متین ص۱۲۹ تا ص۱۳۱ میں باحوالہ یہ بات تحریر کی ہے کہ نور محمدی سے روح محمدی مراد ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ نور محمدی کا مطلب روح محمدی ہے۔ الیٰ قولہ اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبدالحق صاحبؒ نے مدارج النبوۃ ج ۲ ص۲ میں دعویٰ کیا ہے تو اس معنیٰ کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں، لہٰذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں، ہاں اس سے نصوص قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت، آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا کہ بعض اہل بدعت کا وتیرہ ہے۔ قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے۔

افسوس ہے کہ مؤلف مذکور نے نہ تو ہماری یہ عبارت نقل کی ہے اور نہ اس کا حوالہ دیا ہے۔ جواب دینا تو درکنار رہا، حالانکہ علمی طور پر ان پہ لازم تھا کہ ہماری اس عبارت کا حوالہ دیتے، مگر ان کو دیانت و انصاف سے کیا واسطہ؟ ان کو تو اپنے حواریوں سے سستی شہرت کی داد حاصل کرنا ہے اور اہل حق کے خلاف اپنے دل کا ابال نکالنا ہے اور بس۔

الغرض ہمارا یہ اعتراض کہ اس حدیث کی سند اور رواۃ کی توثیق معلوم نہیں بدستور باقی ہے اس کا ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا جا سکا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اور غیر معصوم اقوال عبارات اور غیر متعلق حوالے نقل کر کے ان کا جواب تصور کر لینا طفل تسلی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اس حدیث کی باحوالہ سند اور رواۃ کی کتب اسماء الرجال سے توثیق مطلوب ہے۔

ودونہ خرط القتاد۔

دوسرا اعتراض مولوی غلام رسول سعیدی صاحب نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ آپ دیوبندی یہ کہتے ہیں کہ اول خلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں بلکہ اول خلق قلم ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

اولیت اضافی کا جواب (۱) سرفراز صاحب نے حدیث جابرؓ کو رد کرنے کے لیے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ حضور اول خلق نہیں۔ موضوعات کبیر میں ہے کہ قلم اول خلق ہے تنقید صلا میں ہے کہ اس صحیح روایت میں معلوم ہوا کہ سب سے پہلے قلم تقدیر پیدا کیا گیا کو یاد وہ قلم کے اول حقیقی ہونے کے بجائے اول اضافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں۔

(۲) مولوی صاحب نے دبی زبان سے اعتراف کیا ہے کہ مرقات ج ۱ صـ۱۴۹ اور جمع الوسائل میں اول مخلوقات میں آپ کے نور کا ذکر ہے اور خود ان کتابوں میں تصریح ہے کہ نور سے روح مراد ہے۔ مولوی صاحب کو معلوم تھا کہ اگر مرقات کی ایمان افروز عبارت نقل کر دی تو قصر دیوبند منہدم ہو جائے گا اس لیے اس کو دیوار کی پوربان سمجھ کر صاف ہضم کر گئے ہیں جس کو نقل کرنے سے وہ خوف کھاتے ہیں۔ عبارت (کا ترجمہ) یہ ہے ابن حجرؒ نے کہا کہ اول مخلوق کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور خلاصہ یہ ہے جیسا کہ میں نے شرح شمائل ترمذی میں بیان کیا ہے کہ بالیقین اول مخلوقات وہ نور ہے جس سے نبی علیہ السلام کو پیدا کیا گیا پھر پانی کو پھر عرش کو۔ ملا علی القاریؒ کے اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ حضور کی اولیت کو حقیقی قرار دینے میں وہ تنہا نہیں ہیں، بلکہ ابن حجرؒ بھی اس کی تصریح کرتے ہیں اور صاحب ازہار بھی

ایسا ہی کہتے ہیں اور بے شمار جگہ علماء اسلام نے نور محمدی کی اولیت حقیقی پر نص صریح قائم کی ہے جیسا کہ ماسبق میں حوالے گزر چکے ہیں۔

(۳) ازہار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی مقادیر کو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا اس کو مسلم نے روایت کیا اور ابن عباسؓ سے وکان عرشہ علی الماء کے بارے میں استفسار کیا گیا کہ عرش تو پانی پر تھا پانی کس چیز پر تھا تو فرمایا کہ ہوا کی پیٹھ پر اسے بیہقیؒ نے روایت کیا۔ (پس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا پانی اور عرش کے بعد ہے) اور جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ نور محمدی ہے جیسا کہ میں نے المورد للمولد میں بیان کیا ہے۔

(۴) شیخ محقق عبدالحق محدث دہلویؒ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲ میں ارقام فرماتے ہیں جان لو کہ اول مخلوقات اور واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا (پھر آگے) اول خلق میں عقل کا ذکر بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ محققین اور محدثین کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں اور پھر آگے قلم کا ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے) پس معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے پہلے کچھ ہو چکا تھا اور وہ عرش وکرسی اور ارواح مقیمین اور نور محمدی ان سب سے پہلے پیدا ہوا پس اس تقدیر پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ ماکان سے مراد اس نور کے صفات اور احوال ہیں اور مایکون سے مراد وہ امور ہیں جو بعد میں دنیا میں ظاہر ہوں گے۔

مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ملا علی القاریؒ صاحب ازہار اور شیخ محقق کے اس محققانہ کلام کو دیکھیے اور مولوی سرفراز صاحب کے کمزور مطالعہ پر تحسین و آفرین کیجئے: وہ تو عداوت رسول میں بروایت صحیح مسلم دلوانہ وار یہ ثابت کر چکے تھے کہ قلم سب سے پہلے پیدا ہوا اور ثابت یہ ہوا کہ قلم جو تھے نمبر پر ہے جب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا اور آپ کے فرمان صریح سے اس کی اولیت اضافی

ثابت ہو گئی تو آنجناب کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تردید کی جرأت کیونکر ہوئی کہ قلم کو اول مخلوق کہا گیا آپ کے مذہب غیر مہذب میں فرمان نبوی بھی قابل سماعت نہیں ؟ توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا، ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ فکر آخرت کرو اور توبہ کر لو، ورنہ تنقیص وسالت میں سیروں کے حساب سے لکھی ہوئی کتابیں آپ کی لٹیا ڈبونے کے لیے کافی ہیں اور ان کی فروخت سے جو دنیا دی سکے حاصل کیے ہیں، وہ اس دن کام نہ آسکیں گے۔

(۵) سرفراز صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ نور سے مراد روح ہے جیسا کہ ملا علی القاریؒ نے لکھا ہے ہمیں مُضر نہیں اولاً اس لیے کہ نور ہو یا روح ہو مقصد تو یہ ہے کہ آپ اول خلق ہیں ثانیاً اس سے آپ کو کوئی نفع نہیں، نفع تب ہوتا کہ نور اور روح میں تباین ہوتا، حالانکہ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں آپ کا فرمان کہ سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ میری روح کو پیدا کیا، دونوں کا معنیٰ ایک ہے، کیونکہ ارواح نورانی ہوتی ہیں۔

(۶) سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ محققین شراح حدیث اور ارباب تاریخ نے جہاں اول المخلوقات کی تحقیق اور بحث کی ہے، وہاں قلم عرش اور عقل وغیرہ کا ذکر تو کیا ہے، مگر نور کا ذکر نہیں کرتے (تنقید ص۱۱)

جواباً عرض ہے کہ ہم ما سبق میں امام عبدالرزاقؒ، امام بیہقیؒ۔ امام احمد قسطلانیؒ، امام زرقانیؒ، عبدالقادر الجزائریؒ۔ ملا علی القاری حنفی۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلویؒ وغیرہم کا کلام نقل کر چکے ہیں۔ اس میں غور فرمائیے کہ یہ اکابر ائمہ اولیت خلق میں نور محمدی کا ذکر کرتے ہیں یا نہیں ؟ برادر بات ہے کہ جن کی آنکھوں پر ابلیس نے بغض رسالت کی پٹی باندھ دی ہو، انہیں عبارات میں نور محمدی نظر نہیں آئے گا۔

(۷) سرفراز صاحب حدیث جابرؓ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی سند کا علم نہیں کہ کیسی ہے اور امام عبدالرزاق شیعہ تھے۔ گو غالی نہ تھے اور بعض چیزوں میں وہ منفرد بھی ہے خصوصاً فضائل کے بارے میں اور ان کا متابع بھی کسی نے نہیں دیا۔ (محصلہ تنقید ص۱۵) محض تشیع کی طرف نسبت سے امام عبدالرزاق کی روایت کو ناقابل اعتبار قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اہل بدعت کی روایت کے بارے میں شیخ محقق مقدمہ شرح مشکوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں کہ مختار یہ ہے کہ اہل بدعت کی روایت اگر اس کے مسلک کی تزئین اور ترویج میں ہو تو مقبول نہ ہوگی اور اگر ایسی نہ ہو تو قبول ہوگی اور جامع الاصول کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ائمہ حدیث نے خوارج ۔ قدریہ ۔ روافض اور دیگر اہل بدعت سے بھی روایت لی ہیں چلو اگر امام عبدالرزاق

شیعہ تھے اور امام بیہقی تو شیعہ نہ تھے ۔ جنہوں نے دلائل نبوت میں یہ روایت نقل کی ہے علاوہ ازیں امام عبدالرزاق اس میں منفرد نہیں ، بلکہ علماء اعلام نور محمدی کے اول خلق ہونے میں امام کے ساتھ ہیں جن کی عبارتیں گزر چکی ہیں ، لہٰذا سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ فضائل میں انہوں نے ایسی روایات بھی ذکر کی ہیں جن میں ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا بالکل غیر متعلق ہے ۔

(۸) نور محمدی کے اول خلق ہونے کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سرفراز صاحب نے کہا کہ ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا پڑی ہے کہ وہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح و متواتر حدیث کی تاویل بے جا کریں اور معاذ اللہ تعالیٰ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوں اور آتش دوزخ کا ایندھن بنیں معاذ اللہ تعالیٰ (تنقید صلا۱۴)

اب آئیے ذرا مولوی سرفراز صاحب کے حکمی فرمان پر نظر ڈالیں کہ ان میں سے کتنے صاحب جبہ و دستار جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں ، سرخیل دیوبند مولوی قاسم نانوتوی تحذیر الناس عشرہ میں محذور اول کے جواب میں لکھتے ہیں ۔ اب سنیئے کہ روح پر فتوح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جو اصل موصوف نبوت ہے اور ارواح انبیاء باقیہ کے لیے موقوف علیہ ہے اور اسی وجہ سے آپ کو تقدم بالخلق لازم ہوا ، مگر مخلوقیت روحانی کو تولد جسمانی لازم نہیں اور آپ کے نزدیک لازم ہو تو ثابت کیجئے اور اول ما خلق اللہ نوری وغیرہ مضامین کی تغلیط فرمایئے (الیٰ ان قال) اور اگر یہ سزا اس جرم کی ہے کہ میں نے موقوف علیہ کیوں کہا ، اول ما خلق اللہ نوری کیوں نہ کہا تو آپ سہی ۔"

معیار دیوبند کے اس مضمون سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے (۱) نور محمدی اول

مخلوق ہے (۲) نبی علیہ السلام تمام انبیاء کے لیے موقوف علیہ ہیں (۳) آپ کی نبوت بالذات اور باقی انبیاء کی نبوت بالعرض ہے (۴) اول ما خلق اللہ نوری مذ صرف لائق احتجاج ہے بلکہ دیوبند کے پیر مغاں نے اس سے استدلال کر کے بے شمار نصوص قرآنیہ کو رد کر دیا کما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ تحذیر الناس صف۳ پہ دلائل کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے مولوی قاسم صاحب نے کہا۔

باقی رہا آپ کا وصف نبوت میں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا اور انبیاء ما تحت علیہ وعلیہم السلام کا آپ کے فیض کا معروض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقیق معنی خاتمیت پر موقوف ہے جس کی شرح و بسط کما ینبغی اوپر کر چکا ہوں۔"

اس کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ جو موصوف بالعرض بواسطہ فی العروض ہو، اس کے ساتھ وصف کا قیام نہیں ہوتا، بلکہ وصف کا قیام موصوف بالذات کے ساتھ ہوتا ہے اور موصوف بالعرض کو مجازاً موصوف بالذات کی مجاورت کی وجہ سے موصوف کہتے ہیں، مثلاً جالس فی السفینہ کے ساتھ حرکت کا قیام نہیں ہوتا، لیکن اس کو مجازاً متحرک کہتے ہیں کیونکہ وہ متحرک بالذات یعنی سفینہ کا مجاور ہے جو کہ واسطہ فی العروض ہے، پس اس تقریر سے لازم آیا کہ باقی تمام انبیاء کے ساتھ وصف نبوت قائم نہ ہو اور نبی علیہ السلام سے مقارنت کی بنا پر انہیں مجازاً نبی کہا گیا ہو۔ مولوی قاسم صاحب نے اپنے کلام میں حضور کے سوا تمام انبیاء کی نبوت کا انکار کر کے قرآن کی صد ہا نصوص کو رد کر دیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ علامہ ابو السعودؒ فرماتے ہیں اس لیے کہ معتبر یہ ہے کہ رسولوں کے درمیان نفس رسالت میں فرق نہ کیا جائے نہ کہ باقی اوصاف مخصوصہ میں مؤلف مذکور لکھتے ہیں اور اب پیغمبر دیوبند کی منطق فرمائیے۔ ارشاد ملاحظہ فرمائیے ہو۔ جن قدر جنہوں نے نبی علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام میں نفس رسالت میں فرق کیا اور آپ کے لیے وصف نبوت کو واسطہ فی العروض کے مرتبہ میں مان کر باقی انبیاء سے نبوت کی نفی کر دی اور اس کی بنیاد دس حقد ہے جس کو وہ کہیں موقوف علیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور کہیں اول ما خلق اللہ نوری سے نیا لعجب

اب سرفراز صاحب سے پوچھنے دیجیے کہ اگر یہ روایت باطل اور موضوع ہے تو اس کو ماننے والوں میں آپ کے پیرِ مغاں بھی شامل ہیں ان کے بارے کیا ارشاد ہے ؟

اور اس باطل روایت کے چکر میں پڑ کر نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کا انکار کون کر رہا ہے اور اس موضوع روایت کو اساس بنا کر ایک نئے عقیدہ کی طرح کس نے رکھی۔

جو وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اگر اجازت ہو تو اب ہم بھی کہہ دیں کہ مولوی قاسم نانوتوی نے اس ابلیسی چکر میں پڑ کر قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح متواتر احادیث کی تاویل بے جا کی ہے اور معاذ اللہ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوتے اور اپنے آپ کو آتش دوزخ کا ایندھن بنا لیا ہے؛ اور سچ پوچھیے تو قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں ظلی اور بروزی نبوت کا راستہ دکھایا ہے اس راہ پر چل کر مرزا ملعون نے دعویٰ نبوت کیا اور راست دیوبند آج تک مرزائیہ کے اس استدلال سے جان نہیں چھڑا سکی۔ اگر اب بھی آپ کی طبیعت صاف نہ ہوئی ہو تو لیجیے حکیم الامت حاضر ہیں وہ بقول آپ کے باطل روایت کے چکر میں پڑ کر جہنم کے کس طبقہ میں جا پہنچے ہیں۔ حضرت جابرؓ کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد مولوی اشرف علی تھانویؒ نے ف سے فائدہ کا عنوان قائم کیا کہتے ہیں۔

ف اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے۔ ان اشیاء کا نور محمدی سے متأخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے انتہیٰ (نشر الطیب ص۶) لیجیے ان حکیم صاحب نے تو آپ کے سارے کیے دھرے پر پانی پھیر دیا۔ آپ کسی طور پر اولیت حقیقیہ نہیں مانتے اور تھانہ بھون کے حکیم الامت اولیت حقیقی کو منصوص قرار دیتے ہیں۔ اب یا تو اپنی جہالت کا اعتراف کر کے حکیم الامت کے پیر پکڑ لیجیے یا انہیں جاہل اور غالی قرار دے کر جہنم میں جھونکیے یہ آپ کا اور آپ کے آباء کا معاملہ ہے۔ ہم نے صلح صفائی کی غرض سے ایک معاملہ فہمی کی بات عرض کی ہے۔ محصلہ (حسن الآثار ۱۹۱)

الجواب مؤلف مذکور نے اس ساری گرفت میں اسی جہل مرکب کا ثبوت دیا ہے جس کے بھنور میں وہ ساری کتاب میں غوطے کھا رہے ہیں اور کسی طرف نکلنے کی راہ نہیں پاتے اور اپنے بڑوں کی سنت اس مقام پر بھی انھوں نے پوری کی ہے کہ اصل اور مکمل عبارات سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے کوئی ادھوری عبارت لے لی اور اس پر کچھ بحث شروع کر دی اور اپنی طرف سے عبارات کے معانی اور مطالب تیار کر کے ملغوبہ بنا کر دل کی بھڑاس نکالنا شروع کر دی، صد افسوس ہے اس علم و دیانت پر اور ہزار تف ہے ایسی تحقیق پر اب آپ ترتیب وار جوابات سنیئے۔

(۱) جس طرح ہم نے کتب حدیث کے حوالہ سے اول ما خلق اللہ القلم کی حدیث نقل کی ہے اور ساتھ ہی اس کی تصحیح بھی با حوالہ عرض کر دی ہے۔ مؤلف مذکور کا بر اخلاقی اور علمی فریضہ تھا (اور ہے) کہ وہ اول ما خلق اللہ نوری کی حدیث کسی بھی حدیث کی معتبر کتاب سے باسند نقل کرتے اور پھر اس کی سند کی تصحیح بھی ساتھ نقل کرتے۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکے اور انشاء اللہ العزیز نہیں کر سکیں گے تو جو روایت (اول ما خلق اللہ القلم) کتب حدیث میں موجود ہے اور محدثین کرامؒ کی تصریح کے ساتھ وہ صحیح بھی ہے تو اس کو کیوں نہ اول حقیقی پر محمول کیا جائے اور اس کے مقابلہ میں غیر ثابت روایت کو کیوں اول حقیقی پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ بقول آپ کے اعلیٰ حضرت کے حدیث ماننے کے لیے ثبوت درکار ہے اور اسی سے آپ اور آپ کی جماعت عاجز ہے۔ آپ کو وہ سند سامنے لانی چاہیے جس سے یہ روایت مروی ہے تاکہ سند کے لحاظ سے اس بحث کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے (دیدہ باید)

(۲) ہم نے تنقید متین ص۱۲۹ و ص۱۳۰ و ص۱۳۱ میں شرح الشفا لملا علی القاریؒ، مرقات اور نسیم الریاض للخفاجیؒ اور نشر الطیب ص۵ کے حوالہ سے یہ عرض کیا ہے کہ نور محمدی سے مراد روح محمدی ہے اور اس کے بعد یہ عرض کیا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبد الحق صاحبؒ نے مدارج النبوۃ ج ۲ ص۱ میں دعویٰ کیا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں، لہٰذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں، ہاں اس سے نصوص

قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت، آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا بعض اہل بدعت کا وتیرہ ہے، قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے۔ الخ (تنقید متین ص۱۳۱)۔

غور فرمائیے کہ ہماری اس تصریح کے بعد مرقات کے حوالہ سے قصر دیوبند پہ کیا زد آتی ہے؟ اور کیا اس سے اس کی کوئی اینٹ یا روڑا یا پلستر ہی اپنی جگہ سے ہلتا ہے؟ بلکہ ان حوالوں سے تو قصر دیوبند اور مضبوط ہوتا ہے کہ جو معنیٰ مرقات میں حضرت ملا علی ن القاری نے بیان ہے وہی معنیٰ حضرت تھانوی نشر الطیب میں بیان کرتے ہیں اور ہماری عبارت میں تضاد سے مراد (جیسا کہ تنقید متین کی عبارت سے بالکل ظاہر ہے) یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح نور تسلیم کیا جائے جس سے آپ کی بشریت کا رد لازم آتا ہو جو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ اس میں تضاد ہے مگر مؤلف مذکور اپنی کم فہمی اور جہالت کی وجہ سے اول ما خلق القلم کی حدیث کا اول ما خلق اللہ نوری سے تضاد سمجھ رہے ہیں اور ان میں سے ایک کو بعض حضرات اول حقیقی پر اور دوسرے کو اول اضافی پر حمل کرتے ہیں۔ گو ہمارے نزدیک اول ما خلق اللہ نوری کی حدیث سند کے لحاظ سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جاتی تو اس میں نور سے مراد روح ہے جس کی ہم نے تصریح کی ہے اور لکھا ہے کہ اس سے کسی نص کے ساتھ تضاد لازم نہیں آتا اور اس کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں، کیونکہ اس بیان کے مطابق آپ کی ذات بشر اور آپ کی صفت نور ثابت ہوتی ہے۔

اور تنقید متین میں ہم نے اس کی تصریح کی ہے۔ بلاشبہ حضرت ملا علی القاریؒ اول المخلوقات میں آپ کے نور کا ذکر کرتے ہیں اور اسی کو راجح قرار دیتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ اول خلق کے بارے میں اختلاف تو نقل کرتے ہیں، لیکن ترجیح حدیث قلم کو دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہی حدیث صحیح ہے جیسا کہ موضوعات کبیر کے حوالہ سے یہ بات تنقید متین میں عرض کر دی گئی ہے لہٰذا مؤلف مذکور کا حافظ ابن حجرؒ کو حضرت ملا علی القاریؒ کا اس میں ہمنوا قرار دینا محض سینہ زوری ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فنی لحاظ سے اس کی تردید کرتے ہیں کہ اول المخلوقات میں نوری کی

حدیث ہو نہ یہ کہ اس کی تائید کی تصریح کرتے ہیں، جیسا کہ مؤلف مذکور نے کم فہمی سے یہ سمجھ رکھا ہے۔ اسی طرح علماء اسلام اور واذہار کی عبارات میں آپ کے نور کے اول المخلوقات ہونے کا ذکر ہے اور دیگر بہت سے علماء نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن نزاع اس میں ہے کہ صحیح حدیث کی رُو سے اول مخلوقات کیا چیز ثابت ہے نزاع علماء کی عبارات اور اقوال کے بارے تو نہیں خدا کرے کہ مؤلف مذکور بات کو سمجھ سکیں۔

(۳) الہار کی عبارت میں مسلم کی جن روایات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ

کتب اللہ مقادیر الخلائق	اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی
قبل ان یخلق السموات	خلقت سے پچاس ہزار سال قبل مخلوقات
والارض بخمسین الف سنۃ	کی تقدیر لکھ دی تھی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
قال وعرشہ علی الماء	کا عرش پانی پر تھا۔

(مسلم ج ۲ ص۳۳۵)

اس صحیح اور مرفوع روایت سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ مخلوقات کی تقدیر آسمان اور زمینوں کی خلقت سے پچاس ہزار سال قبل لکھی گئی اس میں قلم کی خلقت کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ کب ہوئی ممکن ہے کہ قلم تقدیر کی خلقت اس سے بھی بہت قبل ہو لیکن اس کے ساتھ لکھنے کا معاملہ آسمانوں اور زمین کی خلقت سے پچاس ہزار سال قبل ہوا ہو، جیسا کہ زمین کا مادہ آسمانوں کی خلقت سے پہلے بنایا گیا اور دحو (زمین کا پھیلانا) بعد کو ہوا، غرضیکہ مسلم کی روایت سے قلم کی پیدائش کے بارے قطعیت سے کچھ ثابت نہیں ہوتا، ہاں اس سے بظاہر عرش اور پانی کی خلقت آسمانوں اور زمینوں کی خلقت سے پہلے ثابت ہوتی ہے جب کہ امام نووی الشافعیؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

وعرشہ علی الماء ای قبل	اور اس کا عرش آسمانوں اور زمین کی
خلق السموات والارض	پیدائش سے پہلے پانی پر تھا۔

واللہ اعلم (شرح مسلم ج ۲ ص۳۳۵)

صاحب ازہار کی یہ تفریع یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا اس کو مسلم نے روایت کیا۔ یہ ان کا اپنا ذاتی نظریہ اور خانہ زاد تفریع ہے اور یہ تفریع اور بہت سے علماء سے منقول ہے، بلکہ بعض نے اس کو الاصح اور بعض نے قول الجمہور سے تعبیر کیا ہے، مگر مسلم کی روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کے موقوف قول اور آثر سے صرف اتنا ثابت ہے کہ پانی ہوا کی پیٹھ پر تھا، نہ تو اس قول سے قلم کی خلقت کی اولیت کی نفی ہوتی ہے اور نہ ان مذکورہ اشیاء سے اس کی خلقت کی تاخیر ثابت ہوتی ہے جیسا کہ کسی بھی صاحب فہم سے یہ مخفی نہیں، اسی طرح مؤلف مذکور کا بین القوسین یہ جملہ لکھنا (پس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا پانی اور عرش کے بعد ہے) یہ ان کی اور ان سے پیشرو علماء کی غلط تفریع ہے۔ اس حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں عبارت کے آخر میں صاحب ازہار کا یہ دعویٰ کہ اور جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی، وہ نور محمدی ہے جیسا کہ میں نے المورد للمولد میں بیان کیا ہے۔ نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ جس کو ثبوت ایسی صحیح حدیث سے درکار ہے جو باسند ہو اور محدثین کرامؒ سے اس کی با حوالہ تصحیح منقول ہو کہ اول مخلوقات نور محمدی ہے صاحب ازہار کے غیر معصوم قول سے یہ مسئلہ تو ثابت نہیں ہوتا اور نہ ثابت ہو سکتا ہے، مگر افسوس ہے کہ مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے علماء میں بات سمجھنے کا سرے سے سلیقہ ہی نہیں اور نہ دعویٰ اور دلیل کی تقریب تام کا وہ خیال کرتے ہیں

(۴) بلا شبہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اول مخلوقات میں نور محمدی کی حدیث کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے، لیکن ہمارا اور اہل بدعت کا نزاع اسی بات میں ہے کہ اول ما خلق اللہ نوری کی حدیث، حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ اس کی سند کیا ہے؟ اور کیسی ہے؟ محض حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کے صحیح کہنے سے بے ثبوت روایت صحیح تو نہیں ہو جاتی۔ حدیث کی صحت کے لیے ثبوت اور سند درکار ہے اور یہی کوہ کندن او رکاہ برآوردن کا مصداق ہے۔

آگے ان کی جتنی تفریعات ہیں وہ اسی پر متفرع ہیں کہ یہ مذکور حدیث صحیح ہے حالانکہ اس

کی صحت کسی طرح بھی اصول کے لحاظ سے ثابت نہیں، اول مخلوقات میں عقل کی حدیث کی انہوں نے محققین کے حوالہ سے تضعیف کر دی ہے، لیکن حدیث اول ما خلق اللہ القلم بھی انہوں نے نقل کی ہے اور اس کے بارے میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ "حدیث اول ما خلق اللہ القلم نیز گفتہ اند کہ مراد بعد العرش والماء است کہ واقع شدہ است وکان عرشہ علی الماء۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲) اور یہ ایک تاویل ہے۔ اس حدیث سے قبل اور بعد علی التعیین کچھ ثابت نہیں کما مر۔

یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں کسی کا کلام بھی حجت نہیں ہو سکتا جب اول ما خلق اللہ القلم کی حدیث صحیح ہے تو ہر فرزند کیا ہر مسلمان کو حب رسول کے جذبہ سے اس پر دلوانہ وار فریفتہ ہونا چاہیئے اور صحیح حدیث کے پیش نظر قلم کو اول خلق سمجھنا چاہیے اور اس کے مقابلہ میں جملہ اقوال کی مناسب توجیہ اور تاویل کی جائے۔ نہ ہو سکے تو رد کر دیئے جائیں کیونکہ ایمان کا تقاضا ہی یہی ہے۔ اگر بفضلہ تعالیٰ راقم اثیم کا مطالعہ قوی اور وسیع نہ ہوتا تو بے ثبوت حدیث کو آنکھیں بند کر کے پلے باندھ لیتا اور صحیح حدیث تک رسائی ہی نہ ہوتی، مگر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی سے صحیح حدیث تک رسائی ہو گئی ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

مؤلف مذکور کا حقائق سے چشم پوشی کر کے اور جہل مرکب کے گھوڑے پر سوار ہو کر یہ لکھنا جب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا الی قولہ تو آنجناب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید کی جرأت کیونکر ہوئی الخ ان کے خبث باطن کا نتیجہ اور خالص دجل و تلبیس ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز صراحۃً کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا ہے۔ یہ سمجھنے والے حضرات کی خود اپنی ذاتی تشریح ہے۔ وہ کون مسلمان ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ اس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ثابت شدہ قول کی تردید کی جرأت ہو؟ اور وہ تردید کر کے مسلمان بھی رہ سکتا ہو؟ حاشا وکلا ثم حاشا وکلا ؎

ایں خیال است و محال است و جنوں

قارئین کرام! کیا ہم مؤلف مذکور کی بولی بول کر یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ وہ معاذ اللہ تعالیٰ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغض میں آکر آپ کی صحیح حدیث اول ما خلق اللہ القلم کو رد کر رہے ہیں۔ یہ جرأت ان میں کیونکر آئی؟ کیا ان کے مذہب نا مذہب نے ان کو یہ طریق سکھلایا ہے؟ یا غیر معصوم اقوال و آراء کے تحت وہ نبی معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو رد کرنے پہ تلے ہوئے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ توبہ کر لیں ورنہ سوئم چہلم اور عرسوں کے لذیذ کھانے اور گیارھویں شریف کی مٹھائیاں اور جلیبیاں آپ کو ہرگز عذاب خداوندی سے نہیں چھڑا سکیں گی اور آپ کو یقیناً وقت پہ کف افسوس ملنا پڑے گا مگر اس وقت کہ جب۔

کہ۔ اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ راقم اثیم کو کتابوں سے دنیوی مفاد اور ٹکے تو چنداں حاصل نہیں ہوئے اور لکھنے کا مقصد بھی یہ نہ تھا جیسا کہ مؤلف مذکور کی بدگمانی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم اثیم کی مدلل اور باحوالہ کتابوں سے ہزاروں لوگ شرک و بدعت سے تائب ہو گئے ہیں۔

(۵) ہمارے دعویٰ کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بایں معنی نور تسلیم کرنا جس سے آپ کی بشریت کا انکار لازم آئے یہ عقیدہ غلط ہے اور اس سے نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ کا رد لازم آتا ہے جو بجائے خود کفر ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اگر اول ما خلق اللہ نوری کی حدیث صحیح بھی ثابت ہو جائے اور نور سے روح مراد ہو تو چونکہ اس سے نصوص کا رد لازم نہیں آتا اس لیے یہ درست ہے ہم نے تنقید متین میں اس کی تصریح کی ہے جس کو مؤلف مذکور شربت صندل سمجھ کر پی گئے ہیں۔ ہمارے دعویٰ کا بنیادی نقطہ یہ نہیں ہے کہ اول خلق قلم ہے یا نور محمدی ہے۔ ان میں سے جو نسا بھی اول حقیقی ثابت ہو گیا۔ دوسرا اضافی ہو جائے گا۔ مگر چونکہ ہماری دانست اور تحقیق کے مطابق اول ما خلق اللہ القلم کی حدیث صحیح اور ثابت ہے۔ اس لیے اس کو محض غیر معصوم اقوال و آراء کی خاطر ترک کر دینا مستحسن بات نہیں۔

حضرت ملا علی القاریؒ نے جو یہ فرمایا کہ ارواح نورانی ہوتی ہیں تو بجا ہے، کیونکہ روح کی تعریف عند البعض یہ ہے جسم لطیف ساری بدن الانسان اور دوسرے الفاظ میں یہی جسم لطیف نورانی

کھلاتا ہے، لیکن اس سے توقف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں اور ہمیں کوئی نقصان نہیں کما لایخفیٰ۔

(ب) امام عبدالرزاقؒ اور امام بیہقیؒ نہ تو شراح حدیث میں ہیں اور نہ انھوں نے اول المخلوقات کا اختلاف چھیڑا اور اس پر بحث و تحقیق کی ہے انھوں نے تو بقول آپ کے اعلیٰ حضرت وغیرہ کے صرف اول ما خلق اللہ نوری کی حدیث نقل کی ہے جس کی صحت ہی محل نزاع ہے۔

امام قسطلانیؒ اور علامہ زرقانیؒ بلاشبہ اول ما خلق اللہ نوری کو نقل کرتے اور بظاہر اس کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن یہ دونوں بزرگ سیرت نگار ہیں اور سیرت کی کتابوں میں رطب و یابس سب کچھ ہوتا ہے تحقیق بہت کم ہوتی ہے، چنانچہ آپ کے اعلیٰ حضرت ہی ایک مقام پر مدارج النبوت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کتاب میں رطب و یابس سب کچھ ہے (احکام شریعت ج ۲ ص ۱۷۳) اس لیے ہم نے محققین شراح حدیث اور ارباب تاریخ کی قید لگائی ہے بایں ہمہ یہ بزرگ حتمی طور پر نور کی اولیت ہی کا ذکر نہیں کرتے، بلکہ وہ اولیت اضافیہ کو بھی نظر انداز نہیں کرتے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

و روی السدی	اور سدی نے ....
... باسانید متعددة ان اللہ لم	... متعدد اسانید سے روایت کیا ہے
یخلق شیئا مما خلق ای من	کہ اللہ تعالیٰ نے جو اشیاء پیدا کی ہیں یعنی
جمیع المخلوقات قبل الماء	تمام مخلوقات ہیں سے پانی سے پہلے کوئی
فیجمع بینہ وبین ما قبلہ	چیز نہیں پیدا کی، اس روایت میں اور
من حدیثی جابرؓ وابی رزینؓ	اس سے پہلی روایت میں جو حضرت جابرؓ
بان اولیۃ خلقہ القلم	اور حضرت ابورزینؓ کی روایتیں ہیں،
بالنسبۃ الی ما عدا النور المحمدی	تطبیق یہ ہے کہ قلم کی اولیت خلقت کے
والماء والعرش انتہی وقیل	لحاظ سے نور محمدی اور پانی اور عرش کی
فی الجمع ایضا الاولیۃ فی کل	خلقت کے سوا ہے۔ ان کی بات پوری ہوئی
من المذکورات بالاضافۃ	اور یہ بھی کہا گیا ہے تطبیق کے سلسلہ میں

الحنفیہ ای اول ماخلق اللہ	کہ اولیت ہر ایک کی ان مذکورہ چیزوں
من الانوار نوری الضمیر لہ	میں سے اپنی جنس کی طرف اضافت کے
صلی اللہ علیہ وسلم و	اعتبار سے ہے یعنی انوار میں سب سے
کذا یقال فی باقیھا ای واول	پہلے میرا نور پیدا کیا گیا اور ضمیر متکلم آنحضرت
ماخلق مما یکتب القلم الذی	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راجع
کتب المقادیر و اول ماخلق	ہے اور اسی طرح باقی امور کے متعلق کہا گیا
مما یصدق علیہ العرش	ہے یعنی قلموں میں سب سے پہلے قلم تقدیر
عرش اللہ اذ العرش یطلق	اور تختوں میں سب سے پہلے عرش پیدا
علی معان کما فی القاموس لہ	کیا گیا کیونکہ عرش کا اطلاق کئی معانی پر
(المواھب مع شرحہ للزرقانی ج ۱ ص۴۷)	ہوتا ہے جیسا کہ قاموس میں ہے۔

اس عبارت میں تصریح ہے کہ امام احمد قسطلانیؒ جو ماتن ہیں اور امام عبدالباقی زرقانیؒ جو شارح ہیں اولیت اضافیہ کو بھی برابر بیان کرتے اور اس کو عمل طور پر ملحوظ رکھتے ہیں اور حضرت ملا علی القاریؒ شراح حدیث میں ہیں اور محقق بھی ہیں اور ان کا حوالہ ہم نے تنقید متین ص۱۹ میں دیا ہے۔ شیخ عبدالقادر الجزائری تصوفی قسم کے بزرگ ہیں محققین شراح حدیث میں ان کا مقام اور نمبر نہیں ہے اور شیخ عبدالحق دہلویؒ کا حوالہ خود ہم نے تنقید ص۱۳ میں دیا ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں اور صرف یہی دو ہی بزرگ ہی شارح حدیث نہیں بلکہ شروح حدیث کی اور بھی بے شمار اور لاتعداد کتابیں موجود ہیں جن کے شارح محقق بھی ہیں۔ لیکن ان کے شروح اس کے ذکر سے خالی ہیں الغرض ہمارے الفاظ محققین شراح حدیث اور ارباب تاریخ کی الفاظ بالکل واضح ہیں اور مؤلف مذکور محققین شراح حدیث سے بجز ہمارے بیان کردہ حوالوں کے اور کوئی حوالہ نہیں پیش کر سکے۔ مگر شیطان مردود ہی اگر کسی کی آنکھوں پر ضد اور تعصب کی پٹی باندھ دے کہ اسے یہ الفاظ نظر ہی نہ آئیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔

ع گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

(۷) حدیث کی صحت کے لیے سند کی ضرورت ہوتی ہے، امام عبداللہؒ بن المبارکؒ فرماتے ہیں:

الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔	سند دین (کا حصہ) ہے اور اگر سند نہ ہو تو جس شخص کا جو جی چاہے گا وہ کہے گا۔

(مسلم ج ۱ ص۱۲)

اس لیے جب تک سند اور اس کے رواۃ کی ثقاہت معلوم نہ ہو، حدیث کا کوئی اعتبار نہیں، یہ ٹھیک ہے کہ تشیع اور بدعت کی وجہ سے روایت رد نہیں ہوتی لیکن اگر اہل بدعت کی ایسی روایت ہو جو داعیہ الی البدعت ہو تو پھر اس کی روایت قابل قبول نہیں (ملاحظہ ہو شرح نخبۃ الفکر ص۴۷ وتدریب الراوی ص۲۱۶ وغیرہ)

اور ایسا راوی جو داعیہ الی البدعت ہو جب کہ متفرد ہو تو اس کی روایت میں مزید شک پڑ جاتا ہے اور اس روایت میں امام عبدالرزاق متفرد ہیں امام بیہقیؒ ان سے بہت متاخر ہیں اُن کی اس روایت کو نقل کرنے سے امام عبدالرزاق کا تفرد رفع نہیں ہوتا جب تک کہ امام بیہقیؒ کی روایت میں امام عبدالرزاقؒ کی بجائے کوئی اور ثقہ راوی نہ ہو اور اس حدیث کے الفاظ بھی بعینہا وہی ہوں جو امام عبدالرزاقؒ کی روایت کے ہیں اور اسی طرح علماء کرام کا اپنی عبارت میں اس روایت کو یا اس کے مضمون کو نقل کرنا تفرد کو رفع نہیں کرتا، جیسا کہ کتب اصول حدیث جاننے والوں پر بالکل واضح ہے روایت میں راوی کا تفرد تب ہی رفع ہو سکتا ہے کہ اس راوی کا کوئی اور متابع ہو ورنہ تفرد بدستور رہے گا۔ کما لا یخفی امام ابن خلدونؒ (المتوفی ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں کہ عبدالرزاقؒ بن ہمامؒ مشہور شیعہ تھے اور آخر عمر میں نابینا اور مختلط بھی ہو گئے تھے امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے فضائل میں ایسی روایات بیان کی ہیں جن میں ان کی کوئی بھی موافقت نہیں کرتا اور ان کو تشیع کی طرف منسوب کیا گیا ہے (مقدمہ ص۳۱۳ طبع مصر) اور ہم نے تنقید متین ص۱۲۱ میں شیعہ کی مشہور و معروف کتاب اصول کافی کے حوالے سے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کے نور ہونے کا عقیدہ شیعہ کا ہے لہٰذا جب شیعہ راوی ایسی روایت نقل کرے جس میں اس کا عقیدہ مضمر ہو اور ہو بھی وہ منفرد تو

اصول حدیث کے لحاظ سے اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور اسی سے ملتا جلتا مضمون آپ کے اعلیٰ حضرت بھی لکھتے ہیں۔

؎ تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا
(حدائق بخشش حصہ دوم صلا)

(۸) کاش کہ مؤلف مذکور تنقید متین ص۱۳۲ و ص۱۳۳ میں درج کردہ روایات کا حوالہ دیتے اور پھر ساتھ ہی وہ حوالے بھی نقل کر دیتے کہ یہ روایات باطل اور موضوع ہیں اور ان میں کذاب راوی موجود ہیں تاکہ عوام کو بھی کچھ پتہ چل سکتا کہ تنقید متین میں کون سی روایات کو با حوالہ موضوع اور باطل کہا گیا ہے اور ان کے باطل و موضوع ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ مگر مؤلف مذکور نے اپنے بڑوں کی طرح یہاں بھی دجل سے کام لیا ہے اور یہ مجمل جملہ لکھ کر عوام کو مغالطہ میں مبتلا کر رہے ہیں کہ نور محمدی کے اول خلق ہونے کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سرفراز نے کہا ہے کہ ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر الخ حیرت اور افسوس ہے۔ اس دجل و تلبیس پر قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ تنقید متین کا مطالعہ کریں تاکہ حقیقت بالکل نمایاں ہو جائے۔

مؤلف مذکور کی جہالت اور کوڑ مغزی ملاحظہ فرمائیے کہ ہم نے تنقید متین ص۱۳۴ میں لکھا ہے کہ اگر نور محمدی کا مطلب روح محمدی ہو تو اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبدالحق صاحبؒ نے مدارج ج ا ص۱ میں دعویٰ کیا ہے، تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہٰذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہاں اس سے نصوص قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا کہ بعض اہل بدعت کا وتیرہ ہے۔ قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے اھ آپ اس واضح عبارت کو بھی دیکھیں اور مؤلف مذکور کے حضرت نانوتویؒ کی غیر متعلق عبارت کو نقل کر کے واقم اثیم پر اعتراض کو بھی دیکھیں کہ ان میں کیا ربط اور جوڑ ہے؟ حضرت نانوتویؒ نے کہاں آپ کی بشریت کا انکار کیا ہے اور کس مقام پر آپ کی آدمیت اور انسانیت کا رد کر کے قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور صریحہ کو ترک کیا ہے؟

انھوں نے تو اول مخلوق میں نورِ محمدی تسلیم کیا ہے اور آپ کی ذات کو تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے لیے موقوف علیہا قرار دیا ہے اور وہ نور کو روح کے معنی میں لیتے ہیں چنانچہ مناظرہ عجیبہ ص۱۴۷ کی اسی عبارت میں جس کا کچھ حصہ مؤلف مذکور نے بھی نقل کیا ہے۔ روحِ پُرفتوح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اول ما خلق اللہ نوری کو ہم معنی ثابت کر رہے ہیں اور ہم نے بھی تصریح کر دی ہے کہ نور کو روح کے معنی میں لینے سے چونکہ بشریت کا انکار لازم نہیں آتا اور نہ نصوص قطعیہ کا رد لازم آتا ہے اس لیے اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں بفضلہ تعالیٰ نہ تو سرخیل دیوبند نے نصوص قطعیہ کا انکار کیا ہے اور نہ وہ جہنم کا ایندھن بنتے ہیں، ہاں البتہ آپ کے صدر الافاضل ان الفاظ سے کہ قرآن پاک میں جا بجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور درحقیقت انبیاء کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے بلفظہ نصوص قطعیہ کا انکار کر کے ضرور دوزخ کا ایندھن بنتے ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کا ذکر کر کے آپ نے بلاوجہ اپنے ماؤف دل کی بھڑاس نکالنے کی لاحاصل سعی کی ہے۔

مؤلف مذکور نے حضرت نانوتویؒ کی عبارت سے جو امور اخذ کیے ہیں اور ان کے چار نمبر قائم کیے ہیں۔ ان میں کسی ایک امر کے ساتھ کسی نص کا رد نہیں ہوتا بلکہ نصوص کا رد صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ آپ کی بشریت، آدمیت اور انسانیت کا معاذ اللہ تعالیٰ رد ہو اور حضرت نانوتویؒ کی کسی عبارت سے نصوص کے رد کا ادنیٰ سا اشارہ بھی ثابت نہیں ہوتا ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ نصوص کا رد نور محمدی (یعنی روح محمدی) کے تسلیم کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ بشریت کے رد کرنے سے ہوتا ہے۔ یہ مؤلف مذکور کی خالص جہالت اور نادانی ہے کہ وہ اول ما خلق اللہ نوری کے تسلیم کرنے سے نصوص کا رد سمجھتے ہیں جب کہ اس کا معنی روح خود ان کی عبارات سے ثابت ہے۔

دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال   جا سکے کب یار کے مسکن میں ہم

واسطہ فی العروض کی بحث

مؤلف مذکور نے تحذیر الناس ص۳۳ کی ایک مختصر سی عبارت نقل کر کے اور حضرت مولانا نانوتویؒ کی مراد

کو نہ پاتے ہوتے اپنی کم فہمی اور تعصب کی وجہ سے مولانا نانوتوی کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا معاذ اللہ تعالیٰ منکر قرار دے کر خوب اپنے مریض دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اس میں قدرے تفصیل سے کلام کریں۔ حضرت نانوتوی یہ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور رسالت حق ہے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجہ کا اور کوئی نبی نہیں۔ آپ کی نبوت بالذات (یعنی اوّلاً اور بالذات) ہے اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت آپ کے طفیل اور آپ سے فیض کا نتیجہ ہے اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے لیے آپ واسطہ فی العروض ہیں خود حضرت مولانا کی چند عبارات ہم عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا اھ (مناظرہ عجیبہ ص۵)

(۲) یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں آپ پر سلسلۂ نبوت مختتم ہو جاتا ہے (تحذیر الناس ص۴)

(۳) موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا مثال درکار ہے تو لیجئے زمین و کہسار اور در و دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور (مخلوق صفت) کا فیض نہیں اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی بایں ہمہ یہ وصف اگر آفتاب کا ذاتی نہیں تو جس کا ہو وہی موصوف بالذات ہو گا اور اس کا نور ذاتی ہو گا کسی اور سے مکتسب اور کسی اور کا فیض نہ ہو گا۔ اھ (تحذیر الناس ص۳)

(۴) مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرد اکمل وہ واسطہ فی العروض ہو گا جو اپنے معروضات کے

حق میں موصوف بالذات ہوتا ہے۔ اگر چہ کسی اور کی نسبت وہ بھی معروض ہو جیسے آئینہ وقت نور افشانی در و دیوار اگر در و دیوار کی نسبت واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہے تو آفتاب کی نسبت خود معروض ہے۔ (تحذیر الناس ص۱۵)

(۵) وجود ممکنات بالذات اور ذاتی نہیں بالعرض ہے اور وہ بالذات جوہر بالعرض کے لیے چاہیے، یہاں وہ وجود ہے جو ذات بحت سے صادر ہوا ہے اور اسی وجہ سے اس کو لازم ذات خداوندی کہنا ضرور ہے اور اسی کو محققین صوفیاء کرام صادر اول اور وجود منبسط اور نفس رحمانی کہتے ہیں۔ اس وجود کو تو عین ذات کوئی نہیں کہتا اھ (مناظرہ عجیبہ ص ک)

(۶) بہر حال موصوف بالذات تو تمام موصوفین بالعرض سے موجود فی الخارج ہوں یا مقدر الوجود افضل ہوتا ہے اور سوا اس کے اور کسی کی افضلیت ایسی عام اور اشمل اور مطلق نہیں ہوتی اھ (مناظرہ عجیبہ ص ۱۱)

(۷) اور انبیاء کی نبوت تو آپ کی نبوت کا پر تو ہے ہر آپ کی نبوت پر قصہ ختم ہو جاتا ہے اور اس بات کو آپ کے دین کا ناسخ الادیان ہونا اسی طرح لازم ہے جیسے آفتاب کے نور کا اور انوار کو محو کر دینا الخ (تصفیۃ العقائد ص ۳)

(۸) اور نیز یہ بھی ہر کوئی سمجھ گیا ہوگا کہ واسطہ فی العروض حقیقی دربارہ وجود کہیے یا کسی اور صفت وجودی کی نسبت کہیے، سوا موجود مطلق خداوند برحق کے اور کوئی نہیں آخر اپنے وجود کا حال کون نہیں جانتا کہ عرضی ہے ذاتی نہیں۔ ورنہ ہمیشہ سے ہوتا اور ہمیشہ رہتا یہ عیب حدوث اور داغ احتیاج ہی کیوں ہمارے نام لگتا اور جب وجود عرضی ہے تو صفات وجود یہ تماما پہلے عرضی ہوں گی اور اس تقریر سے کیفیت ارتباط عالم بھی اپنے خالق کے ساتھ کسی قدر محقق ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سوا اس کے اور کسی کو اگر واسطہ فی العروض کہتے ہیں تو بایں معنی کہتے ہیں کہ صفت متوسطہ فیہا خالق سے اول وہی لیتا ہے اور سوا اس کے اوروں کو اس کے واسطے سے پہنچتی ہے بایں ہمہ ایک وصف اعنی ایک حصہ اس کا مثل واسطہ فی العروض حقیقی دونوں میں مشترک ہوتا ہے اھ (آب حیات ص ۲۳)

(۹) بالجملہ آیت النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم کی تفسیر بھی مثل
آفتاب نیم روز اہل نظر کے لیے اس بات پر شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
منشاء وجود ارواح مؤمنین ہیں اور مابین روح نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ارواح مومنین وہ
رابطہ اور ارتباط ہے کہ منشاء انتزاع اور انتزاعیات میں ہوا کرتا ہے اور چونکہ بشہادت
تقریرات گذشتہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انتزاع من بین الشیئین ہوا کرتا ہے، چنانچہ لفظ
انتزاع ہی خود اس بات پر شاہد ہے کہ شئے ثانی کے لیے دربارۂ اتصاف روحانیت روح
نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واسطہ فی العروض ہوگی کیونکہ منشاء انتزاع موصوف بالذات ہوا
کرتا ہے اور موصوف بالذات ہی واسطہ فی العروض ہوا کرتا ہے، مگر ہاں اس بات کو سمجھنا کہ
موصوف بالذات ان دونوں میں سے کون سا ہے۔ ہر کسی کا کام نہیں اہل افہام متوسط بسا
اوقات موصوف بالعرض کو موصوف بالذات اور موصوف بالذات کو موصوف بالعرض سمجھ لیتے
ہیں چنانچہ انتزاع فوقیت وتحتیت میں اکثر یہی ہوتا ہے اھ (آب حیات ص۱۳۸)

(۱۰) سو واسطہ فی العروض ہے کہ پوری پوری صفت تو خداوند کریم ہی میں ہے، چنانچہ اوپر
مرقوم ہو چکا اور اس وجہ سے اس کو مالک حقیقی سمجھنا چاہیے۔ دوسرے رتبہ میں رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مالکیت سمجھیے کیونکہ اول تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محققین
کے نزدیک وسیلہ تمام فیوض اور واسطہ فی العروض تمام عالم کے لئے ہیں۔ چنانچہ آپ کے لیے
مقام وسیلہ کا ملنا بھی عقل کے نزدیک اسی طرح مشیر ہے۔ والعاقل تکفیہ الاشارۃ اور یہاں سے
سمجھ میں آتا ہے کہ عجب نہیں جو روایت لولاک لما خلقت الافلاک صحیح ہو کیونکہ اس
کا مضمون صحیح ہی معلوم ہوتا ہے اھ (آب حیات ص۱۸۶) تلک عشرۃ کاملۃ۔

حضرت نانوتوی کی ان عبارات اور اقتباسات سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ حضرت انبیاء
کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ارواح مومنین بلکہ تمام عالم کے لیے آپ وسیلہ فیض اور واسطہ
فی العروض ہیں اور یہ وہی تعبیر ہے جس کو مؤلف مذکور نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی
کے حوالہ سے یوں نقل کیا ہے۔

بدانکہ اول مخلوقات و واسطہ صدور کائنات و واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد است صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ اول ما خلق اللہ نوری و سائر مکونات علوی و سفلی از آں نور و ازاں جوہر پاک پیدا شدہ اھ (مدارج النبوت ج ۲ صـ۲) (توضیح البیان صـ۱۶)	جان لو کہ اول مخلوقات اور واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور باقی تمام کائنات علوی و سفلی اس نور سے پیدا ہوئی (یعنی نور کے فیض سے نہ یہ کہ نور ان کا مادہ تھا جیسا کہ بعض جاہل سمجھتے ہیں۔ صفدر)

غرضیکہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام (بلکہ تمام جہان) کے لیے جو واسطہ فی العروض کہا ہے تو اس میں انہوں نے کسی نص یا حضرات سلف صالحینؒ میں سے کسی محقق کے قول کی قطعاً کوئی خلاف ورزی نہیں کی اور اسی طرح آپ کی ذات کو تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے موقوف علیہا کہنا اور نیز آپ کی نبوت کا بالذات اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا بالعرض کہنا اس تفصیل کے ساتھ جو خود ان کی اپنی عبارات میں گزر چکی ہے بالکل صحیح ہے اور اسی طرح ہمارے بھی کسی بیان کا حضرت نانوتویؒ کی کسی عبارت سے ہرگز کوئی تضاد و تعارض نہیں جیسا کہ کسی بھی عقل مند اور باانصاف پر یہ بات ہماری عبارات کے پیش نظر مخفی نہیں ہے۔ باقی ضدی اور متعصب کے لیے اس جہان میں کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے ؎

صد حیف کہ وہ سن کے بھی میری تقریر نہ سمجھا — کرتا ہوں میں سوزِ غمِ پنہاں کی شکایت

دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا انکار (معاذ اللہ تعالیٰ)

تو مؤلف مذکور نے منطق و معقول کی ایک واضح اصطلاح سے لاعلمی کی بنا پر اپنے بڑوں کی تقلید کرتے ہوئے یہ سطحی شوشہ بھی چھوڑا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت

بالذات ہے اور دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالعرض ہے اور آپ
اُن کی نبوت کے لیے واسطہ فی العروض ہیں تو دوسرے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
سے نبوت کی نفی بھی درست ہے، جیسا کہ کشتی میں سفر کرنے والا حقیقۃً متحرک نہیں، متحرک
تو صرف کشتی ہے، مسافر کو مجازی طور پر متحرک ہے اور اس سے حرکت کی نفی درست ہے تو
اس لحاظ سے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نبوت کی نفی صحیح ہوگی، حالانکہ ان کی نبوت
کا انکار کفر ہے جس سے قرآن پاک کی صدہا آیات کا انکار لازم آتا ہے اور اس کی بنیاد آپ کو
موقوف علیہا اور واسطہ فی العروض کہنا ہے (محصلہ توضیح البیان ص۱۶۸ و ص۱۶۹)

سو جواباً گزارش ہے کہ مؤلف مذکور خود خبط کا شکار ہیں واسطہ فی العروض میں وصف کی
نفی بالذات کی ہوتی ہے نہ کہ وصف بالعرض کی جالس فی السفینۃ سے حرکت کی نفی نہیں بلکہ بالذات
حرکت کی نفی ہے اور جالس فی السفینۃ متحرک بالعرض ہوتا ہے، اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی لہٰذا
دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بالعرض نبوت کی نفی ہرگز درست نہیں ہے۔ ہاں بالذات
کی نفی ضرور ہے، لیکن بالذات نبوت ان کے لیے ثابت ہی کب ہے کہ نفی سے کوئی محذور لازم
آئے؟ ان کی نبوت تو آپ کے فیض کا ثمرہ ہے۔ مؤلف مذکور کا یہ شوشہ بھی ان کے بے خبر دماغ
کی پیداوار نہیں، بلکہ یہ شوشہ مولانا عبدالعزیز صاحب امروہوی کا ہے۔ جو جوابات محذورات
عشرہ الموسوم بہ مناظرہ عجیبہ میں محذور ثالث میں مع جواب کے مذکور ہے، چنانچہ اعتراض کا
ایک حصہ یہ ہے۔ اگرچہ نسبت وصف کی طرف ذی واسطہ کے ایجاباً مجازاً کرتے ہیں مگر حقیقت
سلب کرتے ہیں پس لازم آیا کہ انبیاء موصوفین بالعرض عاری عن النبوت مثل ممکنات عاری عن الوجود
کے ہوں اور سلب نبوت کا حقیقۃً ان سے درست ہوا ہے (مناظرہ عجیبہ ص۹)

اس سوال اور شوشہ کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا نانوتوی ارقام فرماتے ہیں کہ
خلاصہ اعتراض اول تو یہ ہے کہ انبیاء باقی سے سلب نبوت ذاتی یعنی بالذات لازم آئے گا
اس کا جواب تو فقط اتنا ہے کہ یہ اعتراض تو اور انبیاء کے نبی بالذات ہونے پر موقوف ہے
اگر اعتراض کرنا تھا تو پہلے اس مقدمہ کو ذکر اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالذات

ہے۔ آپ کے طفیل فیض اور واسطہ سے نہیں ۔ صفدر ثابت کرنا تھا سو یہ مقدمہ خود آپ
سے ثابت ہوا تو ہوا انشاء اللہ تعالیٰ اھ (مناظرہ عجیبہ ص۸۸) اب مؤلف مذکور اور ان کے ہم علم
خویش لائق، قابل اور محقق استاد بھی یہ مقدمہ ثابت کر دکھائیں کہ باقی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
کی نبوت بالذات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض اور واسطہ فی العروض ہونا
اس میں نہیں ہے۔ اگر ایسا ثابت کر دیں تو پھر اعتراض بجا ہوگا ورنہ مردود ہے اور انشاء اللہ
العزیز یہ ثابت نہیں کر سکتے۔

باقی قرآن کریم کی آیت کریمہ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ اور علامہ ابو السعودؒ
کی تفسیر سے حضرت مولانا نانوتویؒ ہرگز مخالف نہیں کیونکہ حضرت نانوتویؒ قرآن کریم کی آیت مذکورہ
اور اس کی تفسیر کی روشنی میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نفس نبوت میں قطعاً کوئی فرق نہیں کرتے
سب کو نبی تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں اوصاف مخصوصہ کے فرق کو ضرور ملحوظ رکھتے ہیں کہ آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصف نبوت سے بالذات متصف ہیں اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
والسلام وصف نبوت سے بالعرض موصوف ہیں جیسا کہ علامہ ابو السعودؒ کی تفسیر میں ہے۔ لہٰذا
عوام الناس کو لا نفرق الآیۃ اور علامہ ابو السعودؒ سے اس کی تفسیر نقل کر کے مغالطہ دینا جیسا کہ
مؤلف مذکور نے کیا ہے اہل علم کی شان سے کوسوں دور ہے مگر اہل بدعت کو اس سے کیا
انہیں تو علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم سے عوام کالانعام کو متنفر کرنے کے لیے کوئی بھی حربہ
اور شوشہ درکار ہے ؎

نئی کچھ نہیں ان کی جاں بازیاں ۔ یہی کھیل ان کا لڑکپن سے ہے

الغرض حضرت مولانا نانوتویؒ نہ تو کسی ایسی چکر میں مبتلا ہوئے ہیں اور نہ کسی نص قطعی
اور خبر متواتر کی کوئی تاویل انہوں نے کی ہے یہ عقیدہ جلیلہ آپ کے صدر الافاضل کو ہی حاصل
ہے کہ وہ آپ کی بشریت کا اس عبارت میں انکار کر کے صدہا نصوص اور احادیث متواترہ
اور اجماع امت کے منکر ہو کر دوزخ کا ایندھن بنے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو اس

اور دوزخ سے بچائے آمین رہا مؤلف مذکور کا یہ شوشہ کہ مولانا نانوتوی نے تحذیر الناس میں ظلی اور بروزی نبوت کا راستہ دکھا کر مرزا غلام احمد کو دعویٰ نبوت پر آمادہ کیا ہے اور امت دیوبند آج تک مرزائیہ کے اس استدلال سے جان نہیں چھڑا سکی ۔ فیصلہ تو یہ محض ان کی لاعلمی اور جہالت کا پلندہ ہے ۔ اس مسئلہ پر دیگر علماء کرام نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی جگہ پر ہے ۔ راقم اثیم نے بھی بانی دارالعلوم دیوبند اور عبارات اکابر حصہ اول میں بقدر ضرورت اس کی بحث کر دی ہے جب اس کا فریق مخالف کی طرف سے کوئی معقول جواب آئے گا، تو بشرط زیست پھر دیکھا جائے گا ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ورنہ کوئی اور اٹھ کھڑا ہوگا کیونکہ نکل فرعون موسیٰ مشہور مقولہ ہے ۔

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا ۔ میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

تیسرا اعتراض

مولوی غلام رسول سعیدی صاحب اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد مولوی اشرف علی تھانویؒ نے ف فائدہ کا عنوان قائم کیا کہتے ہیں ف اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے ۔ ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے ۔ انتہیٰ نشر الطیب ص۵ !

حضرت تھانویؒ اور حدیث نور

مؤلف مذکور یہاں بھی جہل مرکب کا شکار ہیں اور لاعلمی میں کچھ نہ کچھ ہانک دیتے ہیں ۔ تھانوی صاحب کا حوالہ بھی ان کو مفید نہیں، اس لیے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث کے بارے ہم نے صرف اصولی طور پر اس کی صحت پر باحوالہ کلام کیا ہے کہ اس کی سند معلوم نہیں اور اس کا ظاہری مضمون صحیح احادیث کے خلاف ہے ۔ اس کو ہم نے قطعی طور پر باطل اور موضوع تو نہیں کہا جیسا کہ مؤلف مذکور دجل کا ثبوت دے رہے ہیں ۔ حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ ولا یلزم من عدم الصحۃ وجود الوضع کما لا یخفی (موضوعات کبیر ص۱۹) اور مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں لا یلزم منہ ان یکون باطلا الخ (الآثار المرفوعہ لمولانا عبدالحی ص۳۳) عدم صحت سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا ۔

جیسا کہ مخفی نہیں، عدم صحت سے اس کا باطل ہونا لازم نہیں آتا۔ وثانیاً اس حدیث جابرؓ پر بحث کرنے کے بعد فائدہ کے عنوان سے لکھا ہے کہ اور بھی متعدد الفاظ آپ کے نور ہونے کے مضمون کے مروی ہیں۔ آگے ہم نے اس مضمون کی بعض حدیثوں کا حوالہ دیا ہے اور باحوالہ ان کا باطل اور موضوع ہونا ثابت کیا ہے۔ اس ساری بحث کو مؤلف مذکور شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں۔ وثالثاً حضرت جابرؓ کی مذکورہ حدیث کے بارے میں باوجود علمی اور اصولی بحث کے ہم نے لکھا ہے کہ اگر نور سے روح مراد ہو تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں، لہٰذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں الخ اور ہم نے حضرت تھانویؒ کا حوالہ دیا ہے کہ وہ اس معنی میں اس کو تسلیم کرتے ہیں اور ہم نے اس معنی میں نور کو اول حقیقی تسلیم کیا ہے، کیونکہ اس سے کسی نص کی مخالفت لازم نہیں آتی ہماری اس تصریح کے ہوتے ہوئے مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ آپ کسی طور اول حقیقی نہیں مانتے، سفید جھوٹ اور خالص افتراء ہے اور لطف یہ کہ بقول ان کے جب راقم اثیم اور حضرت تھانویؒ کی بات ایک ہی ہے اور خالص علمی ہے تو ہم میں سے کسی کی جہالت کا کیا سوال؟ حضرت تھانویؒ اپنی جگہ علم و معرفت کے پہاڑ اور راقم اثیم ان کی پیروی اور خوشہ چینی کرنے والا ایک ادنیٰ طالب علم ہے جب دونوں کی بات میں کوئی تضاد اور تخالف نہیں تو آپ بیچ میں صلح صفائی کرنے والے بندر بانٹ کا نمونہ کون ہیں؟

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں در عالم ارواح اول کسے کہ پیدا شد ایشاں بودند (تفسیر عزیزی پارہ نمبر ۳۰ ص ۲۱۹) یعنی عالم ارواح میں سب سے پہلے جو پیدا ہوئے، وہ آپ ہی تھے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وادلّۃ تم نے اس کی تصریح کی ہے کہ آپ کو اگر اس طرح نور تسلیم کیا جائے جس سے آپ کی بشریت، آدمیت اور انسانیت کا انکار ہوتا ہو تو اس سے نصوص قطعیہ اور صریحہ کا رد لازم آتا ہے اور حضرت تھانویؒ نے اپنی لا تعداد کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کو واضح الفاظ میں اثبات کیا ہے۔ ہم یہاں صرف نشر الطیب ہی کا حوالہ عرض کرتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ چونکہ آپ بھی بشریت یعنی مادیت میں عنصریت

ہیں امت کے ساتھ شریک ہیں اور بعض امور زائدہ مثل کثرت مال وغیرہ میں اوروں کے ساتھ مساوی بھی نہیں الخ (النشر الطیب ص۱۷۵ طبع جید برقی پریس دہلی) الحاصل حضرت تھانوی رح نے آپ کی بشریت کا معاذ اللہ تعالیٰ انکار نہیں کیا البتہ ایک نامعلوم سند سے روایت کا حوالہ دے کر اس کا ایسا معنی بیان کرتے ہیں جو علامہ خفاجیؒ اور حضرت ملا علی القاریؒ وغیرہ بزرگ بیان کرتے ہیں جو نصوص قطعیہ کے عین مطابق ہے اور بفضلہ تعالیٰ وہ جنت کے وارث ہیں آپ اپنی اور اپنے صدر الافاضل کی فکر کیجئے۔ جن کی خاطر تعصب اور ضد میں آکر آپ بے جا تاویلیں بھی کرتے ہیں اور دوسروں پر خالص جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اہل علم کی عبارات سمجھنے سے بھی یکسر قاصر ہیں اور جہل مرکب کا خالص مجسمہ ہیں مگر اپنی جماعت سے داد تحسین حاصل کرلے اور محقق اور مدقق کے القاب حاصل کررہے ہیں فوا اسفا و یا للعجب حضرت نانوتوی رح اور حضرت تھانویؒ وغیرہ بزرگ تو بقول علامہ اقبالؒ اس کا مصداق ہیں؟

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے　　جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا　　سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی (ضرب کلیم)

دلیل نمبر (۳) جواہر البحار ج۲ ص۲۲۶ پر ہے۔

وروی حدیث عائشۃ رضی اللہ	حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں
تعالیٰ عنہا انہا کانت مع	ہے کہ ایک اندھیری رات کو وہ حضور
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ	کے ہمراہ بستر پر تھیں اچانک ان کے ہاتھ
علیہ وسلم علیٰ فراشہ فی	سے سوئی زمین پر گر گئی پس وہ حضور کے
لیلۃ ظلمۃ فسقط من یدھا	چہرہ انور سے ظاہر ہوئی اور ام المومنینؓ
ابرۃ الی الارض فکشفت	نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے
عن وجہہ صلی اللہ علیہ وسلم	نور سے اس سوئی کو پایا اور اٹھایا۔
فوجدتہا بنور جبینہ فرفعتہا	

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد مولوی غلام رسول سعیدی صاحب نے ملا علی القاریؒ اور

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حوالے بھی ذکر کیے ہیں ہم یہاں پر ان کا خلاصہ ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ملا علی القاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

بعض محققین نے بیان فرمایا کہ ہمارے نبی علیہ السلام کا جمال غایت کمال میں تھا۔ روایات سے ثابت ہے کہ آپ کی صورت کا نور دیوار پر منعکس ہوتا تھا اور وہ دیوار آئینے کی طرح آپ کی صورت نور کی حکایت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے جمال کو صحابہؓ کی نگاہوں سے بھی مستور رکھا کیونکہ اگر ان پر مکمل جمال ظاہر ہوجاتا تو وہ آپ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے۔

(جمع الوسائل ص ۲۱۲) شاہ ولی اللہؒ شاہ عبدالرحیمؒ سے حکایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالرحیمؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضورؐ کی زیارت سے مشرف ہوا اور آپ سے سوال کیا کہ جمالِ یوسف سے زنانِ مصر نے انگلیاں کاٹ لیں، آپ کے جمال سے کسی نے انگلیاں نہ کاٹیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے غیرت کی وجہ سے میرے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مستور رکھا (انصاف العارفین ص ۲۹)

نیز ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ

بہرکیف نبی علیہ السلام کا نور شرقاً و غرباً غایت ظہور میں ہے اور جس کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، وہ آپ کا نور ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کتاب میں نور سے موسوم فرمایا۔ (موضوعات کبیر ص ۸۶)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا کی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم اَنْزَلْنَا سے بھی رسول مراد لے سکتے ہیں، چنانچہ ایک اور مقام پر ہے قَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا۔ رسولاً بدل بطور تفسیر ہے ذکراً سے یہاں بھی اَنْزَلْنَا کا مفعول رسول واقع ہوا ہے۔ پس اس سے بھی تفسیر مختار پر کوئی غبار نہیں رہا۔ (النور ص ۱۴)

نیز ملا علی القاریؒ ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ

نبی علیہ السلام چاند سے زیادہ حسین ہیں کیونکہ آپ کا نور آفاق اور انفس دونوں میں

ظاہر ہے اور صوری اور معنوی دونوں قسم کے کمالات کے جامع ہیں بلکہ حقیقت میں ہر چیز آپ کے نور سے پیدا ہوئی اسی طرح اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ میں مَثَلُ نُوْرِهٖ کی تفسیر نور محمد کے ساتھ کی گئی ہے۔ پس نبی علیہ السلام کا نور ذاتی ہے جس کا دن رات میں کسی وقت بھی انفکاک نہیں ہوتا اور چاند کا نور مکتسب و مستعار ہے کبھی کم ہو جاتا ہے اور کبھی گہن لگنے سے مسلوب ہو جاتا ہے۔ اور دن کے اجالوں میں ماند پڑ جاتا ہے۔ سعیدی ۔ (توضیح البیان ص۱۰۳ تا ص۱۰۴)

الجواب مؤلف مذکور نے یہ جتنی کاوش کی ہے بالکل بے سود ہے اولاً اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کی جس روایت میں سوئی ملنے کا ذکر ہے، وہ باطل اور موضوع ہے حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ اپنی کتاب الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة میں گھڑی ہوئی اور جعلی روایات (مختلفہ موضوعہ ص۱۶۷) کی مد میں لکھتے ہیں۔

ومنها ما يذكره الوعاظ عند ذكر الحسن المحمدي انه في ليلة من الليالي سقطت من يد عائشة ابرة ففقدت فالتمستها ولم تجد فضحك النبي صلى الله عليه وسلم و خرجت لمعة اسنانه فاضأت الحجرة ورأت عائشة بذالك الضوء ابرة وهذا وان كان مذكورًا في معارج النبوة و غيره من كتب السير الجامعة للرطب واليابس فلا يستند بكل	اور ان جعلی روایتوں میں وہ روایت بھی ہے جس کو واعظ حسن محمدی کے ذکر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے سوئی گر گئی اور وہ گم ہو گئی اور انھوں نے اس کو تلاش کیا مگر نہ ملی اتنے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہنس پڑے اور آپ کے دانتوں سے نور کی ایک شعاع نکلی جس کے ذریعہ حجرہ روشن ہو گیا اور اس روشنی کی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے سوئی دیکھ لی اور یہ اگرچہ معارج النبوۃ وغیرہ سیرت کی کتابوں میں جن میں رطب و یابس سب کچھ ہوتا ہے

ما فيها الا النائم والناعس لكنه لم يثبت رواية ولا دراية انتهى (الآثار المرفوعة في الاخبار الموضوعة صـ۲۷۵)

مذکور ہے لیکن ان میں درج شدہ ہر چیز سے صرف وہی استناد کرے گا جو سویا ہوا ہو یا اونگھ رہا ہو مگر یہ روایت روایۃً اور درایۃً ثابت نہیں۔

ایسی جعلی اور من گھڑت روایت سے جو نہ روایۃً ثابت ہے اور نہ درایۃً مؤلف مذکور کو کیا فائدہ ہے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ اس روایت کے بارے لکھتے ہیں یہ بالکل جھوٹ ہے (سیرت النبی ج ۳ صـ۱۶۶) ثانیاً یہ روایت بخاری اور مسلم وغیرہ کی صحیح روایت کے خلاف ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ۔

كنت انام بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجلاي في قبلته فاذا سجد غمزني فقبضت رجلي واذا قام بسطتهما قالت والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح (بخاری ج ۱ صـ۵۶ ومسلم ج ۱ صـ۱۹۸)

میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے سویا کرتی تھی اور میرے دونوں پاؤں آپ کے قبلہ کی طرف ہوتے تھے جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے دباتے تو میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپ کھڑے ہو جاتے تو میں پاؤں پھیلا لیتی اور گھروں میں اس زمانہ میں چراغ نہیں ہوتے تھے

امام نوویؒ لیس فیہا مصابیح کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

ارادت به الاعتذار تقول لو كان فيها مصابيح لقبضت رجلي عند ارادة السجود وما احوجته الى غمزي انتهى (شرح مسلم ج ۱ صـ۱۹۸)

حضرت عائشہؓ لیس فیہا مصابیح کے جملہ سے عذر پیش کرتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ اگر گھر میں چراغ ہوتے تو آپ کے سجدہ کے وقت میں پاؤں خود سمیٹ لیتی اور آپ کو مجھے دبانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

اور علامہ عینی الحنفیؒ لکھتے ہیں۔

والمعنی لو کانت المصابیح — مطلب یہ ہے کہ اگر چراغ ہوتے تو آپ
لقبضت رجلی عند ارادتہ — کے سجدہ کے وقت میں پاؤں خود سمیٹ لیتی
السجود ولما احوجتہ الی — اور آپ کو میرے بدن کے دبانے کی
غمزی (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۶۹) — حاجت نہ پڑتی۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کی یہ صحیح روایت اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی حجرہ میں اندھیرا رہتا تھا اور جب آپ رات کو نماز پڑھتے اور چراغ نہ ہوتا تو آپ اپنے ہاتھ مبارک سے حضرت عائشہؓ کا بدن دباتے تاکہ وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیں اور آپ سجدہ کر سکیں اور بقول امام نوویؒ اور علامہ عینیؒ یہ اس لیے ہوتا تھا کہ گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے اور اندھیرے کی وجہ سے آپ کو دبانے کی یہ زحمت گوارا کرنا پڑتی تھی، ورنہ حضرت عائشہؓ صدیقہ آپ کو یہ تکلیف نہ دیتیں۔ اگر آپ کے نور کی روشنی ہوتی تو اس روشنی کی وجہ سے وہ خود بخود اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں اور کسی بھی صاحب بصیرت پر یہ مخفی نہیں کہ آپ کے گھر میں اجالا، چراغ جلتا تھا، اگر گھر میں آپ کے نور کی روشنی ہوتی تو چراغ جلانے کی کیا ضرورت تھی؟ ثالثاً حضرت ملا علی القاریؒ کی جمع الوسائل کے حوالہ سے جو استدلال مؤلف مذکور نے کیا ہے، وہ غلط ہے اس لیے کہ ملا علی القاریؒ اس روایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں، بعلی ماروی ان صورتہ الخ جیسا کہ روایت کیا گیا ہے یہ روایت کس کتاب میں ہے؟ اس کی سند کیا اور کیسی ہے؟ اس کا کچھ پتہ نہیں تو ایسی مجہول السند اور بے ثبوت روایت سے استدلال کا کیا معنٰی؟ مؤلف مذکور کی دیدہ دلیری اور دجل ملاحظہ کیجیے کہ وہ علیٰ ماروی کا معنٰی کرتے ہیں، روایات سے ثابت ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ اور یہ ایک ناقص حقیقت ہے کہ عقائد باطلہ اور اعمال بدعیہ دجل اور تلبیس کے سوا ثابت بھی نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت ملا علی القاریؒ نے مرقات میں پہلے یہ تحریر فرمایا ہے۔

قال ابن حجر اختلفت الروایات — ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اول مخلوقات کے

في اول المخلوقات وحاصلها
كما بينتها في شرح شمائل
الترمذي ان اولها النور
الذي خلق منه عليه الصلوٰة
والسلام ثم الماء ثم العرش
الخ (مرقات ج ۱ صفحہ ۱۴۶)

بارے میں روایات مختلف ہیں اور ان
کا حاصل جیسا کہ میں نے شرح شمائل الترمذی
میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ اول وہ نور
ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
علیہ وسلم پیدا ہوئے، پھر پانی اور پھر
عرش ہے۔

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک بات تو یہ کہ اس مقام میں وہ وثوق سے اول المخلوقات نور محمدی لکھتے ہیں اور دوسری یہ کہ جمع الوسائل شرح شمائل الترمذی انہوں نے مرقات سے پہلے تصنیف فرمائی ہے جس کا حوالہ وہ مرقات کی اس عبارت میں دے رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ مرقات میں لکھتے ہیں کہ

ثم رأيت في الدر المنثور ولفظه
عن ابن عباسؓ ان اول شيء
خلقه الله القلم فقال له
اكتب فقال يارب وما اكتب
قال اكتب القدر يجري من
ذلك بما هو كائن الى ان
تقوم الساعة ثم طوى الكتب
ورفع القلم رواه البيهقي
وغيره والحاكم وصححه
وفي الدرايةؒ عن ابي هريرةؓ
قال سمعت رسول الله صلى الله
عليه وسلم يقول ان اول شيء

پھر میں در منثور میں حضرت ابن عباسؓ سے
منقول یہ روایت دیکھی کہ سب سے پہلے
اللہ تعالیٰ نے جو چیز پیدا کی وہ قلم ہے
اور اس سے فرمایا لکھ، اس نے کہا، اے
میرے رب میں کیا لکھوں؟ فرمایا کہ آج
سے لے کر قیامت قائم ہونے تک جو تقدیر
جاری ہے لکھ، پھر صحیفہ لپیٹ دیا اور
قلم اٹھالی اور اس کو امام بیہقیؒ وغیرہ نے
روایت کیا اور امام حاکمؒ نے بھی اور اس
کو صحیح کہا ہے اور در منثور میں حضرت ابو ہریرہؓ
سے ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے سنا آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے

خلق الله القلم ثم النور و
هي الدواة الى ان قال وروى ان
اول ما خلق الله العقل وان
اول ما خلق الله نوري وان
اول خلق الله روحي وان اول
ما خلق الله العرش والاولية
من الامور الاضافية فيؤول
ان كل واحد مما ذكر قبل
ما هو من جنسه فالقلم خلق
قبل جنس الاقلام ونوره
قبل الانوار والا فقد ثبت
ان العرش قبل خلق السموات
والارض فتطلق الاولية على
كل واحد بشرط التقييد
فيقال اول المعاني كذا واول
الانوار كذا ومنه قوله اول
ما خلق الله نوري وفي رواية
روحي ومعناهما واحد فان
الارواح نورانية اي اول ما
خلق الله من الارواح روحي
اھ مرقات ج ۱ ص ۷۱

اللہ تعالیٰ نے قلم پھر دوات پیدا کی پھر
فرمایا، اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ سب
سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل پیدا کی ہے
اور یہ بھی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا
نور پیدا کیا ہے اور یہ بھی سب سے پہلے
اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کی اور یہ
بھی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عرش
پیدا کیا اور اولیت اضافی امور میں سے ہے
تو اس کی یہ تاویل کی جائے گی کہ اولیت
ہر چیز کی جنس کے لحاظ سے ہوگی مثلاً اقلام
کی جنس میں قلم تقدیر اور انوار کی جنس میں
آپ کا نور پہلے پیدا ہوا ورنہ ثابت ہو چکا
ہے کہ عرش آسمانوں اور زمین سے پہلے پیدا
ہوا ہے، تو اولیت ہر ایک پر بشرط قید بولی
جائے گی، مثلاً اول معانی میں فلاں چیز اور
اول انوار میں فلاں ہے اور اسی سے ہے
آپ کا یہ ارشاد کہ اول ما خلق اللہ نوری
اور ایک روایت میں روحی ہے اور دونوں
کا مطلب ایک ہے کیونکہ ارواح نورانی ہیں
یعنی اللہ تعالیٰ نے ارواح میں سب سے
پہلے میری روح پیدا کی۔

اس عبارت سے یہ امر بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت ملا علی القاریؒ کے سامنے پہلے

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی یہ مرفوع روایت ان اول ما خلق اللہ القلم نہ تھی اس میں صحیح روایت کے اور اسی طرح اولیت کی دیگر بعض روایات کے سامنے آجانے سے وہ اولیت کو وہ اضافیہ پر حمل کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اگر نور ہی ان کی تحقیق میں اول الخلق ہوتا تو اپنی پہلی تحقیق پر جمے رہتے اور ان کو اول اضافی کی تاویل کی ضرورت پیش نہ آتی اور ثم رایت فی الدر المنثور کے الفاظ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ یہ تفصیل پہلے ان کے سامنے نہ تھی، ورنہ وہ پہلے ہی اولیت کو اضافی پر حمل کرتے۔ وارلیعا الفاس العارفین کی عبارت سے مؤلف مذکور کو کیا فائدہ ہے؟ آپ کے حسن و جمال کا کون مسلمان منکر ہے لیکن اس جمال کی وجہ سے اُس نورانیت اور روشنی کا کیا ثبوت ہے کہ اندھیرے میں گری پڑی سوئی مل جائے یا در و دیوار روشن ہو جائیں بلکہ خود یہ عبارت ان کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ آپ کے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مستور رکھا گیا ہے۔ ظاہر امر ہے کہ حسی نور کو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل اور مستور نہیں ہوا کرتا وہ تو ہر کہ و مہ کو عیاناً نظر آتا ہے اور آسکتا ہے۔ وخامساً حضرت علی القاریؒ کی موضوعات کبیر میں جس نور کا ذکر ہے وہ حسی نہیں، بلکہ معنوی نور ہے جس کو نور نبوت، نور رسالت اور نور ہدایت سے تعبیر کیا جاتا ہے جو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے اور خود ان کی عبارت میں شرقاً وغرباً کے الفاظ اس کا واضح قرینہ ہے اور اس نور سے حسی نور قطعاً مراد نہیں جو ہر ایک کو ظاہراً نظر آئے کیونکہ موضوعات کبیر ۲۳ میں اسی عبارت کے آگے یہ الفاظ بھی ہیں۔

لکن ھٰذا النور لیس لہ   لیکن یہ نور ظاہر نہیں ہے۔

الظھور الخ۔

اگر حسی نور ہوتا تو یقیناً اس کا ظہور ہوتا اور وہ کسی پر مخفی نہ رہتا کما لا یخفیٰ چونکہ یہ الفاظ مؤلف مذکور کے سلسر لان میں جیسا کہ بالکل عیاں ہے اس لیے وہ ان کو پی گئے ہیں یہ فقط مطلب عبارت کو نقل کر دی ہے اور ان الفاظ کا حوالہ ہی نہیں دیا تاکہ قلعی نہ کھل جائے۔ وسادساً علامہ خفاجیؒ کے نزدیک نور مبین سے مختار تفسیر میں قرآن کریم مراد ہے جیسا کہ ان کی منقولہ

عبارت میں اس کی تصریح ہے اور بیان القرآن ج۲ ص۱۶۶ میں انزلنا الیکم نوراً مبیناً کے ترجمہ اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے اور وہ قرآن مجید ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ذریعہ سے جو کچھ تم کو بتلایا جاوے، وہ سب حق ہے الخ اور نور و کتاب مبین کے عربی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ

اشارة الی کون عطف الکتاب للتفسیر فهما متغایران بالصفة متحدان بالذات ولهذا احسن افراد الضمیر فی به و بهذا التفسیر حسن اسناد الهدایة ههنا الی الله تعالی وجعل الکتاب والنور سبباً و اسناد التبیین فیما قبل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم واما اذا فسر النور بالرسول لا یحصل هذا الحسن ومؤید تفسیر هذا قوله تعالی وانزلنا الیکم نوراً مبیناً۔ واريد به الكتاب قطعا انتهى۔

(ج۱ ص۵ حاشیہ نمبر۱ طبع مجتبائی دہلی)

اس میں اشارہ ہے کہ لفظ کتاب کا عطف تفسیر کے لیے ہے اور یہ دونوں لفظ صفت کے لحاظ سے متغایر ہیں اور ذات کے اعتبار سے متحد ہیں اور اسی لیے بہ میں مفرد ضمیر کا لانا اچھا ہے اور اسی تفسیر کے لحاظ سے ہدایت کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف اچھی ہے کہ اس نے کتاب اور نور کو ہدایت کا سبب بنایا ہے اور اسی لیے اس سے قبل بیان کرنے کی نسبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اچھی ہے اور اگر لفظ نور کی تفسیر رسول کے ساتھ کی جائے تو یہ اچھائی حاصل نہیں ہوتی اور میری اس تفسیر کا مؤید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وانزلنا الیکم نوراً مبیناً اور اس سے قطعی طور پر کتاب مراد ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بقول حضرت تھانویؒ نوراً مبیناً سے مراد قطعی طور پر تو صرف کتاب ہے جس کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ ہاں صرف احتمال کے درجہ میں وہ یہ تفسیر بھی نقل کرتے ہیں کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہو اور آپ کی بشریت

کا وہ واضح طور پر اقرار و اثبات کرتے ہیں کما مر تو آپ کی ذات کو بشر تسلیم کر کے آپ کو نور ماننے
کا مطلب یہی ہے کہ آپ نورِ ہدایت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نورِ نبوت دے کر کل جہان
کو نورِ توحید اور نورِ ایمان و اسلام سے منور کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پورا ہو گیا ہے کہ

وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ اپنے نور (اسلام) کو مکمل کرے گا اور اگرچہ مشرک اس کو ناپسند کریں

وسائلؒ حضرت ملا علی القاریؒ کی جمع الوسائل میں جس نور کا ذکر ہے، وہ معنوی نور ہے نہ کہ
حسی جو مؤلف مذکور کا مطلب ہے کیونکہ آفاق اور انفس میں جس نور کا فیض پہنچا ہے اور پہنچتا ہے
وہ معنوی نور ہے جو نورِ نبوت اور نورِ ہدایت ہے اور یہ جملہ بھی اس کا مؤید ہے کہ آپ صوری
اور معنوی دونوں قسم کے کمالات کے جامع ہیں۔ اسی طرح مثل نورہٖ ہیں آپ کے جس نور کا ذکر
ہے، وہ نورِ نبوت اور نورِ ہدایت ہے اس میں کیا شک ہے؟ اور آپ کے نور کے ذاتی ہونے
کا یہی مطلب ہے جو حضرت نانوتویؒ کی عبارت کی روشنی میں گزر چکا ہے کہ اولاً بالذات وہ
آپ کو مرحمت ہوا اور آپ کے فیض سے بالعرض سب انبیاء کو پہنچا، آپ کا نور مخلوق میں سے
کسی سے مکتسب نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور چاند کا نور سورج سے مکتسب ہونے
کے باوجود گہن میں آجاتا ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نورِ نبوت اور نورِ ہدایت
کبھی کفر و شرک کے گہن میں نہیں آیا اور نہ کبھی دلائل و براہین کی مد میں مغلوب ہوا ہے اور
اس دور میں بھی لوگ مسلمان ہوئے جب کہ دنیا میں کفر و شرک کا ہر طرف دور دورہ تھا اور
ظاہری طور پر دنیا کے کسی ملک میں مسلمانوں کا (بجز چند ایک کے) کوئی اقتدار نہ تھا جو کسی
کی کشش کا باعث ہوتا اور اس ایمانی اور اسلامی نور کو دنیا سے کفر نے مٹانے کی از حد کوشش
کی ہے مگر بفضلہٖ تعالیٰ ۔ ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن — پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

بابِ سوم

ناظرین کرام! ہم اس باب میں احادیث صحیحہ اور محدثین عظام کے اقوال نقل کر کے یہ ثابت کریں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا اور فریق مخالف جن روایات سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ ان کے جوابات بھی عرض کرتے ہیں۔ (فیاض)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ہونے کا ثبوت

دلیل نمبر (۱) امام حاکم ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحافظ (المتوفی ۴۰۵ھ) اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ

بینما النبی صلی اللہ علیہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات
وآلہٖ وسلم یصلی ذات لیلۃ	نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ نے
ازمدہٗ ثم اخرھا فقلنا	اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، پھر پیچھے ہٹا لیا
یا رسول اللہ رأیناک صنعت	پس ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو
فی ھذہ الصلوٰۃ شیئاً لم	اس نماز میں ایسی کارروائی کرتے دیکھا ہے
تکن تصنعہ فیما قبلہ	جو آپ نے اس سے قبل نہیں کی، فرمایا
قال اجل انہ عرضت علیّ	ہاں بلا شبہ مجھ پر جنت پیش کی گئی تو میں
الجنۃ فرأیت فیھا دالیۃ	نے اس میں اونچے درخت دیکھے جن کے
قضوفھا دانیۃ فاردت ان	گچھے نیچے کو جھکے ہوئے تھے، تو میں نے

اتناول منها شیئًا فاوحی الیٰ	ارادہ کیا کہ ان سے کچھ لے لوں پس میری
ان استاخر فاستاخرت وعرضت	طرف وحی آئی یہ کہ پیچھے ہٹ جاؤ میں
علی النار فیما بینی وبینکم	پیچھے ہٹ گیا اور مجھ پر دوزخ بھی پیش کی
حتی رأیت ظلی و ظلکم	گئی جو میرے اور تمہارے درمیان تھی یہاں
فیما فاومیت الیکم ان	تک اس کی آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور
استاخروا فاوحی الیّ ان	تمہارا سایہ دیکھا پس میں نے تمہیں اشارہ کیا
اقرھم فانك اسلمت واسلموا	کہ پیچھے ہٹ جاؤ، سو میری طرف وحی آئی
وھاجرت وھاجروا وجاھدت	کہ ان کو ان کی جگہ پر ٹکا رہنے دے،
وجاھدوا فلم ار لك فضلًا	کیونکہ تو نے اسلام قبول کیا اور انہوں نے
علیھم الا بالنبوۃ فاولت ذلك	بھی تو نے بھی ہجرت کی اور انہوں نے
مایلقی امتی بعدی من الفتن	بھی تو نے جہاد کیا انہوں نے بھی پس میں
انتھی۔ (مستدرك ج ۴ ص ۴۵۶ قال الحاکم	تیری ان پر بجز نبوت کے اور کوئی فضیلت
والذھبی صحیح)	نہیں دیکھتا پس میں نے اس سے یہ نتیجہ
	نکالا کہ میری امت میرے بعد فتنوں میں
	مبتلا ہوگی۔

امام حاکم اور ناقد فن رجال علامہ شمس الدین ابو عبداللہ ذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) دونوں فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ حافظ ابن القیم الحنبلی (المتوفی ۷۵۱ھ) نے بھی یہ روایت نقل کی ہے (ملاحظہ ہو حادی الارواح الی بلاد الافراح ص ۲۱ طبع مصر) اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا جس طرح کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا سایہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے دوزخ کی آگ کے شعلوں کی روشنی میں اپنا سایہ بھی دیکھا اور حضرات صحابہ کرامؓ کا سایہ بھی دیکھا اگر آپ کا سایہ نہ ہوتا تو اس آگ کی روشنی میں اپنا سایہ دیکھنے کا کوئی معنی نہیں جیسا کہ کسی بھی صاحب فہم و بصیرت سے یہ مخفی نہیں ہے!

اعتراض | اگر قرآن کی طرف التفات کیے بغیر محض لفظ ظل کے اطلاق سے تاریک سایہ ثابت ہو جاتا ہے تو حدیث مبارک میں سبعۃ یظلھم اللّٰہ بظلہ

اور لیوم لا ظل الا ظلہ سے کیا، اللہ تعالیٰ کے لیے بھی العیاذ باللہ سایہ ثابت کیجئے گا۔ ثانیاً یہ کہ رأیت ظلی وظلکم فیھا یعنی میں نے دوزخ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا اس جملہ میں ظل اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہے کیونکہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کی طرح روشن نہیں ہوتی، چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب صفۃ النار فصل ثانی کی پہلی حدیث میں ہے فھی سوداء مظلمہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے۔ دیوبندیوں نے حدیث کے ترجمہ میں اپنی طرف سے یہ بڑھایا کہ اس آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا علمی بے مائیگی کے سوا کچھ نہیں کیونکہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے، وہاں روشنی کا کیا کام پھر کس قدر حیرت ہے کہ اپنے ناپاک عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے حدیث میں تصرف کیا اور روشنی کا لفظ بڑھا کر سائے کے جواز کا چور دروازہ نکال لیا اور اسی طرح جو بات حضور نے نہیں فرمائی اسے آپ کی طرف منسوب کر کے العیاذ باللہ جہنم کے سیاہ اندھیروں میں اپنا مقام بنالیا۔ بہرحال دو طرح ثابت ہو گیا کہ یہاں ظل کا لفظ اپنی اصل پر محمول نہیں، ایک تو اس لیے کہ آپ نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا، دوسرا اس لیے کہ جہنم میں سایہ دکھائی دینا معقول ہی نہیں ہے کیونکہ جہنم تو سیاہ تاریکی ہے اور سایہ روشنی میں متحقق ہوتا ہے پس ان دو قرینوں سے متعین ہو گیا کہ یہاں پر لفظ ظل مجاز پر محمول ہے اور ظل مجازی طور پر شخص کے معنی میں آتا ہے معالم التنزیل میں ہے وقیل ظلالھم ای اشخاصھم پس معنی حدیث یہ ہے کہ میں نے جہنم کو دیکھا اور اس میں اپنے اور تمہارے اشخاص کو دیکھا اور جہنم میں دیکھنے سے حضور نے یہ تعبیر کی کہ آپ کے وصال کے بعد امت فتنے میں مبتلا ہوئی، باقی جہنم میں دیکھنے کا مطلب مجاز بالمشارفۃ کے طور پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود یا صحابہ کو جہنم کے قریب یا اس کے کنارے دیکھا ہو اور اگر خود جہنم میں دیکھنا بھی وارد ہو تو معاذ اللہ وہ کس طرح تنقیص شان کا موجب نہیں، کیونکہ جہنم میں ہونا صرف کفار کے لیے موجب عذاب و اہانت ہے۔ ہر ایک کے لیے نہیں، ورنہ خزنۃ جہنم

بھی تو جہنم میں موجود ہیں اور ما منکم الا وار دھا کے تحت مفسرین کہتے ہیں کہ تمام مومنین کا جہنم سے گزر ہوگا، مگر ان کے لیے یہ باعث نشاط و سرور ہوگا اور کفار کے لیے یہ ہی گزر موجب عذاب و اہانت ہوگا (توضیح البیان ص۱۸۴، ۱۸۵)

الجواب مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ کہا ہے مردود ہے اولاً اس لیے کہ عربی دان بحمد اللہ تعالیٰ بکثرت موجود ہیں کسی لائق عربی دان ثالث سے دریافت کر لیں کہ وعرضت علی النار فیما بینی وبینکم حتی رأیت ظلی و ظلکم فیہا کا ترجمہ اور مطلب کیا ہے؟ انشاء اللہ العزیز کوئی منصف مزاج عربی دان اس عبارت کا مطلب اور ترجمہ اس کے بغیر اور کچھ نہیں بیان کرے گا کہ اور مجھ پر دوزخ بھی پیش کی گئی جو میرے اور تمہارے سامنے تھی، یہاں تک کہ اس کی آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا اور اگر مؤلف مذکور کا بیان کردہ معنیٰ ہی ہم لے لیں کہ میں نے آگ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا تو پھر بھی ہمارا مدعیٰ واضح ہے اور اس ترجمہ سے مؤلف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ کسی بھی ذی علم اور صاحب بصیرت سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔ وثانیاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم نہیں گو لطیف ہی سہی اس لیے اس کا سایہ عقلاً بھی نہیں ہو سکتا۔ بخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کا جسم مبارک تھا گو لطیف سہی، چنانچہ خان صاحب بریلی لکھتے ہیں کہ وہ بشر ہیں، مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف اور جسم انسانی رکھتے ہیں، مگر ارواح و ملائکہ سے ہزار جگہ الطف اھ (نفی الفیئ ص۵) اور جسم بشر، آدمی اور انسان کا سایہ ہونا عقل کے عین مطابق ہے اور صحیح حدیث سے ثابت بھی ہے کما مرّ اس لیے بظلہ اور الا ظلہ سے حقیقت مراد نہیں، بلکہ مجاز مراد ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ مراد ہے، کیونکہ عرش بھی جسم ہے اور اس کا سایہ ہے اور الجامع الصغیر ج۲ ص۳ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں سبعۃ یظلہم اللہ تحت ظل عرشہ یوم لا ظل الا ظلہ الحدیث وقال حسن اور السراج المنیر ج۲ ص۳۲۹ میں ہے۔ باسناد حسن۔ اس مرفوع صریح اور حسن حدیث سے واضح ہو گیا کہ ظل اللہ سے بحذف مضاف ظل عرش مراد ہے اور ایک اور حدیث میں وظلل علیہم الغمام الحدیث کے الفاظ آتے

ہیں سواد دالظمآن ص۱۲۱ یعنی کچھ مومن قیامت کے دن بادل کے سائے کے نیچے ہوں گے وثانیاً بلاشبہ حضرت مفسر جنہم پالیک تفسیر کے رُو سے مومنین کا دوزخ میں سے ہو کر گزرنا حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوزخ میں سیر وسیاحت کے طور پر داخل ہونا کسی تنقیص کا موجب نہیں کیونکہ یہ داخلہ بطور سزا وعذاب کے نہیں بلکہ بطور سیر وسیاحت یا عبور اور انتظامی امور کے تحت ہے اور اس میں شرعاً اور عقلاً کوئی خرابی نہیں مگر نہ تو اس توجیہ کی یہاں ضرورت ہے اور نہ گنجائش کیونکہ اسی حدیث میں تصریح موجود ہے کہ آپ دوزخ میں داخل نہیں ہوتے بلکہ دوزخ آپ کے سامنے پیش کی گئی اور آپ نے اس کو اپنے اور اپنے حضرات صحابہ کرامؓ کے سامنے دیکھا اور اس کی روشنی میں اپنا سایہ بھی دیکھا اور حضرات صحابہ کرامؓ کا سایہ بھی دیکھا اور آپ نے ان پر شفقت کرتے ہوئے ان کو پیچھے ہٹنے کا حکم بھی دیا الخ یہ تمام مضمون اس کو واضح کرتا ہے کہ آپ دوزخ کے اندر داخل نہیں ہوئے اور ایک اور روایت اس کی مزید تائید کرتی ہے، چنانچہ صحیح مسلم کتاب الکسوف کی ایک روایت میں آتا ہے (اور اس موقع پر بھی آپ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئی تھی) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لقد جیئ بالنار وذٰلکم حین	بہ تحقیق دوزخ لائی گئی اور یہ اس وقت
رأیتمونی تأخرت مخافۃ	جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا اس
ان یصیبنی من لفحہا الحدیث	ڈر کے مارے کہ کہیں آگ کے شعلے مجھے
(مسلم ج ۱ ص ۲۹۸)	تکلیف نہ دیں۔

الحدیث یفسر بعضہ بعضاً کے قاعدہ کے مطابق اس صحیح حدیث سے بالکل واضح ہو گیا کہ آپ دوزخ میں داخل نہیں ہوتے، لہٰذا مؤلف مذکور کا اس توجیہ کے لیے چکر کاٹنا بالکل لاحاصل ہے وثالثاً اگرچہ لفظ ظل مجازی طور پر ذات اور شخص کے معنی کے لیے آتا ہے لیکن مجازی کی وہاں ضرورت پیش آتی ہے، جہاں حقیقت ناممکن یا متعذر ہو اور یہاں ایسا نہیں، پھر بلادلیل مجاز مراد لینے کی کیا حاجت ہے؟

یہ بھی یاد رہے کہ نحوی طور پر ضمائر ذوات پر دال ہیں۔ یہاں ظلی میں حرف یا ضمیر متکلم ہے جو ذات اور شخص پر دلالت کرتی ہے اسی طرح ظلکم میں لفظ کم ضمیر مخاطب ہے جو ذات پر دال ہے اور اگر یہاں ظل سے مراد بھی ذات اور شخص ہو تو اضافۃ الشیٔ الی نفسہ لازم آتی ہے جو درست نہیں یہی وجہ ہے کہ معالم التنزیل وغیرہ میں اس تفسیر اور توجیہ کو لفظ قیل سے تعبیر کیا ہے جو عموماً ضعف اور کمزوری پر دلالت کرتا ہے کیونکہ وہاں بھی ظلالہم میں ضمیر ہم مضاف الیہ موجود ہے تو اس لحاظ سے اضافۃ الشیٔ الی نفسہ لازم آتی ہے اور یہ ضعیف و کمزور توجیہ ہے

ورابعاً مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب نے اپنے کمزور مسلک اور علمی بے مائیگی کے تحت مشکوٰۃ شریف باب صفۃ النار فصل ثانی کی پہلی حدیث نہیں دیکھی جس میں آتا ہے۔ فھی سوداء مظلمۃ کہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے۔ لہٰذا اپنی طرف سے آگ کی روشنی کا لفظ بڑھانا علمی بے مائیگی ہے کیونکہ جہنم کی آگ سیاہ ہے، وہاں روشنی کا کیا کام؟ لیکن یہ سب کچھ مؤلف مذکور کی نری جہالت ہے۔ اولاً تو اس لیے کہ یہ حدیث ترمذی میں مذکور ہے اس کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وحدیث ابی ھریرۃ ھذا موقوف	کہ صحیح تربات یہ ہے کہ حضرت ابوہریرۃ
اصح ولا اعلم احدا رفعہ	کی یہ روایت موقوف ہے مجھے معلوم نہیں
غیر یحییٰ ابن ابی بکیر	کہ یحییٰ ابن ابی بکیر کے علاوہ کسی اور نے
عن شریک (ترمذی ج ۲ ص۸۵)	اس کو شریک سے مرفوع بیان کیا ہو۔

اور اس میں جو راوی شریک ہیں، وہ باوجود ثقہ ہونے کی حدیث میں غلطی کر جاتے تھے۔ امام ابراہیم بن سعید الجوہریؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے چار سو حدیث میں غلطی کی ہے اور امام ازدیؒ فرماتے ہیں کہ وہ سئ الحفظ کثیر الوہم اور مضطرب الحدیث تھے (محصلہ تہذیب التہذیب ج ۴ ص۳۳۴) غرضیکہ یہ روایت نہ تو مرفوع ہے اور نہ اصول حدیث کے لحاظ سے صحیح ہے، لہٰذا اس پر جواب کی بنیاد رکھنا درست نہیں ہے اور دوسرے اس لیے کہ جہنم کے مختلف طبقات ہیں، وہاں آگ بھی ہے اور زمہریر بھی ہے اور اسی طرح طبقہ اور طبقہ اور آگ اور آگ کا فرق

اور تفاوت ہے اور حدیث قالت النار رب اکل بعضی بعضا الحدیث (مسلم ج ۲ صفحہ ۳۷۸) اس کی واضح دلیل ہے، اگر کسی طبقہ کی آگ سودا اور ظلمت ہو اور کسی طبقہ کی روشن ہو تو اس میں کیا اشکال ہے؟ جبکہ قرآن کریم میں نارًا ذات لہب کا ذکر ہے کہ آگ شعلوں والی، خانصاحب نارحامیۃ کا معنی کرتے ہیں، آگ شعلے مارتی اور نارًا ذات لہب کا ترجمہ کرتے ہیں لپٹ مارتی آگ اور ابھی صحیح مسلم کی روایت لفح کا لفظ جس کے معنی شعلہ کے ہوتے ہیں، بیان ہو چکا ہے۔ اندریں حالات جہنم کی آگ کے شعلوں کا اور اس کی روشنی کا انکار کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ صراح صفحہ ۵۲ میں لہب کا معنی زبانۂ آتش یعنی آگ کا شعلہ کیا ہے۔

دلیل نمبر (۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، اور اس سفر میں بعض دیگر ازواج مطہرات بھی آپ کے ساتھ تھیں حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہو گیا، حضرت زینبؓ کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اونٹ تھا آپ نے فرمایا کہ صفیہ کا اونٹ بیمار ہے۔ اے زینبؓ اگر اسے تو اپنا فالتو اونٹ دے دے تو بہتر ہوگا انہوں نے کہا کیا میں اس یہودیہ کو اونٹ دے دوں، ان کے اس نازیبا جواب سے آپ ناراض ہو گئے اور آپ نے ذوالحجہ محرم دو یا تین ماہ حضرت زینب کے پاس جانا ہی ترک کر دیا!

قالت حتی یئست منہ وحولت سریری قالت بینما انا یوما بنصف النہار اذا انا بظل رسول اللہ صلی اللہ مقبلا الخ (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۲۶ طبع بیروت)

حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ میں آپ سے ناامید ہو گئی اور میں نے اپنی چارپائی وہاں سے ہٹا دی، فرماتی ہیں کہ میں اسی حالت میں تھی کہ اچانک ایک دن دوپہر کے وقت میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھا جو میری طرف آرہا تھا۔

اس حدیث کے راوی یہ ہیں۔

(۱) عفان بن مسلمؒ (صحاح ستہ کے راوی ہیں) امام عجلیؒ ان کو ثقہ اور ثبت کہتے ہیں، امام ابو حاتمؒ ان کو ثقہ امام اور متقن کہتے ہیں۔ علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ کثیر الحدیث ثبت اور حجت کہتے ہیں

امام ابن خراشؒ ان کو ثقہ من خیار المسلمین اور محدث ابن قانعؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔
امام ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳ و ج ۲ صفحہ ۲۳۴)

(۲) حماد بن سلمہؒ (یعنی ذہبیؒ ان کو الامام الحافظ اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں) (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۹)

(۳) ثابت بنانیؒ (یہ بھی صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں) امام نسائیؒ اور عجلیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔
علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔
(تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳)

(۴) شمیسہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں مقبولۃ من الثالثۃ (تقریب صفحہ ۴۷۲ طبع فاروقی دہلی)
کہ تیسرے طبقے کے راویوں میں سے ہے اور مقبول ہے اور ان پر کسی کی کوئی جرح منقول نہیں ہے۔

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔!

غرضیکہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔

اور یہ روایت مسند احمد اور مجمع الزوائد میں بھی ہیں اس کے الفاظ آخر میں یوں ہیں۔

فلما کان شہر ربیع الاوّل	یعنی جب ربیع الاوّل کا مہینہ آیا تو آپ
دخل علیہا فرأت ظلہ فقالت	میرے پاس آئے، فرماتی ہیں کہ جب میں
ان ھٰذا الظل رجل وما	نے آپ کا سایہ دیکھا تو میں نے کہا کہ یہ سایہ
یدخل علیّ النبی صلی اللہ	کسی مرد کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم فمن ھٰذا؟	میرے پاس آتے نہیں، تو یہ کون ہے اتنے
فدخل النبی صلی اللہ علیہ	میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہو گئے

وسلم (مسند احمد ج ۶ صفحہ ۲۳۶
ومجمع الزوائد ج ۴ صفحہ ۳۲۳)

مسند احمد کے راوی یہ ہیں۔

(۱) عبدالرزاق (الحافظ الکبیر) جن کو بے شمار محدثین نے ثقہ کہا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۱)

(۲) جعفر بن سلیمان امام احمدؒ ان کو لاباس بہ اور امام ابن معینؒ ثقہ کہتے ہیں۔ علامہ ابن سعدؒ

کو ثقہ اور امام ابو احمدؒ حسن الحدیث کہتے ہیں امام ابن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے نزدیک ثقہ ہیں، امام بزارؒ ان کو مستقیم الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۹۵ تا ج ۴ ص ۹۶ محصلہ)

(۳) ثابت بنانیؒ (ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے)

(۴) شمیسہؒ (ان کا تذکرہ بھی پہلے گزر چکا ہے)

(۵) حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اس روایت کے جملہ وارث بھی ثقہ ہیں۔

اعتراض اس حدیث میں بھی ظل سے مراد شخص ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا، اس لیے ہمارے نزدیک اس حدیث میں بھی ظل شخص کے معنی پر محمول ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے (توضیح البیان ص ۱۸۵ و ص ۱۸۶)

الجواب مؤلف مذکور کا یہ جواب بھی سراسر باطل ہے اولاً اس لیے کہ اس میں بھی اضافۃ الشیٔ الی نفسہ لازم آتی ہے ثانیاً اس لیے کہ مسند احمد اور مجمع الزوائد کی حدیث کے الفاظ اس باطل تاویل بلکہ تحریف کی بیخ کنی کرتے ہیں۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فلما کان شهر ربیع الاول	یعنی جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو آپ
دخل علیها فرأت ظله فقالت	میرے پاس آئے، فرماتی ہیں کہ میں نے
ان هذا الظل رجل وما یدخل	آپ کا سایہ دیکھا تو فرمانے لگیں کہ یہ
علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	یہ سایہ تو مرد کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ
فمن هذا؟ فدخل النبی	علیہ وسلم تو میرے پاس آتے نہیں تو یہ
صلی اللہ علیہ وسلم۔	کون ہے اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
(مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۲ و مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۳)	وسلم داخل ہو گئے۔

اگر سایہ سے مراد آپ کی ذات اور شخص ہے جیسا کہ مؤلف مذکور کا بے بنیاد دعویٰ ہے تو

کیا حضرت زینبؓ نے آپ کی ذات اور شخص کو دیکھ کر بھی نہ پہچانا اور حیرت کا اظہار کرنے لگیں کہ کون ہے؟ سایہ میں تو اشتباہ ہو سکتا ہے لیکن نفس شخصیت میں کیا اشتباہ تھا جس پر ان کو حیرت ہوئی؟ اور حدیث کے آخر کے الفاظ مزید وضاحت کرتے ہیں۔ فدخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ سایہ پہلے نظر آیا اور آپ بعد کو داخل ہوئے اور مؤلف مذکور کی تحریف کے پیش نظر یہ مطلب ہوگا کہ آپ کا شخص اور وجود پہلے نظر آیا اور داخل ہوا، اس کے بعد آپ داخل ہوئے۔ کیا ایسے مہمل اور بے سروپا معانی سے شریعت اور حدیث کا مذاق نہیں اڑایا جا رہا؟ معاذ اللہ تعالیٰ ثانیاً نصوص قطعیہ۔ احادیث متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر تھے اور بشر کا سایہ ایک لازم امر ہے۔ بخلاف آپ کے نور ہونے کے کہ کسی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل سے آپ کا نور ہونا ثابت نہیں ہے۔ اگر ایک تفسیر کے رُو سے نور سے آپ کا نور ہونا ثابت ہے، تو وہ صرف ایک احتمال کے درجہ میں ہے اس کو قطعیت ہرگز حاصل نہیں، پھر یہ نور آپ کی صفت ہے نہ کہ ذات کیونکہ ذات آپ کی بہرحال بشر ہے اور آپ کا سایہ یقیناً تھا۔

ان صحیح روایتوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باقاعدہ سایہ تھا جب نصوص قطعیہ سے آپ کی بشریت ثابت ہے۔ تو بشریت کے تمام لوازمات جن میں ایک سایہ بھی ہے ثابت ہے۔!

سایہ کا انکار کرنا دراصل شیعہ کا مذہب ہے

چنانچہ شیعہ کی مستند کتاب الکافی مع الصافی ص۱۵۲ ج۲ حصہ سوم میں ہے ولم یکن لہ فی الخ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔

مشہور شیعی عالم خلیل قزوینی اس کا مطلب یہ کرتے ہیں کہ

ونہ بود او را سایہ یعنی ہمیشہ ابری میان   آپ کا سایہ نہ تھا یعنی ہمیشہ بادل آپ

اور قرص آفتاب پور ا الخ   کے درمیان اور سورج کی ٹکیہ کے درمیان
(العانی جلد سوم حصہ دوم ص۵۲ طبع لکھنؤ) حائل رہتا تھا۔

ان کی اس تاویل سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ سے سائے کی جو نفی ہو رہی ہے اس پر وہ بھی مطمئن نہیں ہیں اور تاویل پر مجبور ہیں بلکن قطع نظر اس کے کہ ہمیشہ آپ کے سرِ مبارک پر بادل کے سائے کا کسی صحیح حدیث سے ثبوت نہیں ہے۔ ا

اعتراض بریلوی عالم غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں کہ اگر سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعوں کا ہے تو کیا حضرت عثمانؓ، حضرت ابن عباسؓ، امام سیوطی شافعیؒ قاضی عیاض مالکیؒ علامہ ابوالبرکات نسفی حنفیؒ ملا علی القاری حنفیؒ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلویؒ علامہ بیجوریؒ شہاب الدین خفاجی ابن مبارکؒ اور ابن جوزیؒ یہ تمام صحابہؓ اور اکابر ائمہ دینؒ حضرات شیعہ تھے۔ جب عہد رسالت سے لے کر شاہ عبدالعزیزؒ تک تمام اکابر مسلمین حضورؐ کے سایہ نہ ہونے کے قائل تھے، تو آپ کے انکار پر کون کان دھرے گا اور یہ جو آپ نے صحابہؓ سے لے کر شاہ عبدالعزیزؒ تک تمام مسلمانوں کو بیک جنبش قلم شیعہ بنا ڈالا ہے، بھلا علم و تحقیق کی کسوٹی پر ایسی بے سر و پا باتیں کون مانے گا اور اگر واقعی سایہ نہ ہونا شیعہ کا مسئلہ ہے تو جناب والا گستاخی معاف تو پھر سب سے بڑے شیعہ تو مولوی گنگوہی ہیں جو لکھتے ہیں آپ کا سایہ نہ ہونا تواتر سے ثابت ہے اور دوسرے نمبر پر مولوی اشرف علی تھانویؒ ہیں شکر النعمہ ص۳۹ پر لکھتے ہیں، یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ یا پھر عزیز الرحمٰن مفتی دیوبند شیعہ ہیں جو عزیز الفتاویٰ ج۸ ص۲۰۱ پر لکھتے ہیں۔ امام سیوطیؒ نے خصائص الکبریٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل کی ہے

اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری لہ ظل فی شمس ولا قمر الخ (توضیح البیان ص۱۸۲ ص۱۸۳)

الجواب ان حضرات کے سامنے یقیناً وہ احادیث نہیں جو سایہ کے وجود کی با حوالہ ذکر کی گئی ہیں اگر یہ احادیث ان حضرات کے سامنے ہوتیں تو وہ ہرگز ان کے خلاف کچھ نہ

فرماتے۔ ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا ذکر ضرور کیا ہے اور ان کا ماخذ آجا کر کے حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے مگر بے سند اور بے اصل روایت اور حضرت ذکوانؒ کی موضوع اور جعلی روایت ہے یا پھر ذکر ونوی وغیرہ الفاظ سے بغیر کسی سند کے اس کا ذکر ہے، پھر کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ سایہ کی سنداً صحیح روایات سامنے آنے کے بعد ان سے بے سر و پا روایات پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھے، چونکہ سایہ نہ ہونے کی روایت بالکل بے اصل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا تھانویؒ وغیرہ محتاط علماء اس حدیث کی صحت کی ذمہ داری نہیں اٹھاتے اور فرماتے ہیں کہ یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے سایہ والی روایت کی خوب تردید بھی کی ہے مگر مؤلف مذکور شیر مادر سمجھ کر اس کو بالکل پی گئے ہیں اور اصول کافی جس پر بقول شیعہ حضرات کے امام مہدی نے دستخط اور تصدیق ثبت فرمائی اور فرمایا ہذا کافٍ لشیعتنا کہ یہ کتاب ہمارے شیعہ کے لیے کافی ہے اور اسی کتاب سے پہلے باحوالہ یہ عرض کیا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور ہم نے یہ کہا ہے کہ اصل میں سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے۔ اگر سایہ ہونے کی صحیح روایات موجود نہ ہوتیں اور پھر ہم ان اکابر کی نقول کی مخالفت کرتے تو ہم قصور وار ہوتے، لیکن سایہ ہونے کی صحیح روایات کی موجودگی میں ہم پر الزام کیسا؟ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ان اکابر کو وہ صحیح احادیث نہیں پہنچیں، ورنہ صحیح حدیث کی مخالفت کون مسلمان گوارا کرتا ہے؟ اور چونکہ ہمارا مستدل لفظ بشر سے ہے جو قرآن کریم میں جابجا مذکور ہے اور سایہ ہونے کی صریح اور صحیح احادیث سے ہے، اس لیے ہم یہی کہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہونا چاہیے کہ آپ کا سایہ تھا اور جن حضرات تک یہ صحیح روایات نہیں پہنچیں، وہ معذور ہیں مگر جن کو علم ہو چکا وہ کس طرح معذور ہو سکتے ہیں۔؟

باب چہارم

ناظرین کرام! اس باب میں ہم فریق مخالف کے وہ دلائل نقل کرتے ہیں جن سے انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے پر استدلال کیا ہے اور پھر ان کے جوابات بھی نقل کیے جاتے ہیں۔ (فیاض)

دلیل نمبر (۱) بریلوی عالم مولوی غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں کہ جمہور مسلمین کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے جسم اقدس کے لیے تاریک سایہ ثابت نہیں ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا اور نورانیت کا ثبوت یا سایہ کی نفی بشریت کی نفی کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ سایہ مطلقاً بشریت کے لوازم سے نہیں بلکہ بشریت کثیفہ کے لوازم سے ہے اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہو کر اس درجہ لطافت میں تھی کہ تاریک سایہ کا موجب نہ ہوتی تھی۔ نیز یہ عقیدہ ظنی ہے اور ظنیات کے باب میں دلائل ظنیہ کفایت کرتے ہیں۔ محدث ابن جوزیؒ الوفا بحوالہ المصطفیٰ ص۴۸ پر اور ان کے حوالے سے ملا علی جمع الوسائل ج۱ ص۱۷۶ اور امام مناوی شرح شمائل علی ہامش جمع الوسائل ج۱ ص۴۷ اور ج۱ ص۱۷۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس قال لـم یکن لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ظل ولـم یقـم مع شمس قط الا غلب ضوءہ ضوء الشمس ولـم	ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور آپ کبھی سورج کی روشنی میں کھڑے نہ ہوتے مگر آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب آجاتا اور نہ کبھی چاند کی روشنی میں

يغلب ضوءه على ضوء السراج۔ آتے، مگر آپ کا نور چاند کی روشنی پر غالب رہا۔

یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

علامہ نبہانیؒ وسائل الوصول ص۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے، پس دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہ ظاہر ہوتا۔ فوائد جلیلہ شرح شمائل محمدیہ ص۳۶ ج۱ میں سیدی محمد بن قاسم جسوسؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ابن مبارکؒ اور ابن الجوزیؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوئے مگر آپ کا نور سورج پر غالب رہا اور نہ کبھی چاندنی میں کھڑے ہوئے، مگر چاند پر آپ کا نور غالب رہا، اسی لیے نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا اور ابن سبعؒ نے شفاء میں ذکر کیا اور اس کو قاضی عیاضؒ نے شفا میں نقل کیا کہ آپ کے شخص کریم کا سایہ نہ تھا نہ چاندنی میں نہ دھوپ میں اور سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا سایہ (جو حقیقت میں آپ کی مثال کے مرتبہ کا ہے) زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا جائے یا گندی جگہوں اور قدموں کے نیچے واقع ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے یا اس لیے کہ سایہ تاریکی کو مستلزم ہے اور نور کے لیے حجاب ہوتا ہے اور نبی علیہ السلام تو نور منیر ہیں پس آپ کا سایہ کس طرح متصور ہوگا یا اس لیے کہ شمس و قمر تو آپ کے نور سے مخلوق ہوئے اور آپ کے سبب سے ظہور میں آئے، پس آپ کے سبب سے ان کی روشنی کس طرح چھپ سکتی ہے جبکہ آپ کا سایہ ہو، کیونکہ جو کسی چیز کا مظہر ہو وہ اس کے لیے ساتر نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضورؐ تو بشر ہیں، جیسا کہ قرآن میں ہے پھر آپ کے لیے سایہ کیونکر نہ ہوگا؛ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ آپ کی بشریت عام بشریت کی طرح نہیں ہے، جیسے یاقوت پتھر ہے، مگر عام پتھروں کی طرح نہیں ہے۔ بقول ابو الحسن شاذلیؒ آپ باوجود بشریت کے نور ہیں۔ اس لیے آپ نور سے موسوم ہوئے۔ شیخ محقق نے شرح ہمزیہ میں کہا کہ حدیث عمرؓ میں ہے کہ آپ نے فرمایا، اے عمرؓ جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں وہ ہوں کہ جس کو اللہ عزوجل نے سب سے پہلے پیدا کیا، وہ میرا نور تھا پس میرے نور نے اللہ کو سجدہ کیا اور

سات سو سال سجدہ میں رہا پس پہلا ساجد میرا نور تھا اور مجھے اس پر فخر نہیں اے عمر تو جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں وہ ہوں کہ اللہ نے عرش کو میرے نور سے پیدا کیا اور کرسی و لوح و قلم کو میرے نور سے پیدا کیا اور آنکھوں کے نور کو میرے نور سے پیدا کیا اور عقل جو لوگوں کے سروں میں ہے، وہ بھی میرے نور سے پیدا کی اور معرفت جو قلوب مومنین میں ہے وہ بھی میرے نور سے پیدا کی اور مجھے اس پر فخر نہیں الخ پس تمام انوار و اظہار کو حضور کے نور سے پیدا کیا گیا، لہٰذا سب حضور علیہ السلام کے نور کی فرع ہیں اور آپ کا نور سب کے لیے اصل بھلا فرع کا اصل کے ساتھ کیا مقابلہ ہو سکتا ہے؟ دیکھ وہ کیسے شقی العقل ہیں جو فرع کے کمال تو نقل مانتے ہیں اور اصل کے لیے اس کا انکار کرتے ہیں۔ سعیدی) (محصلہ توضیح البیان ۱۷۷ تا ص ۱۷۹)

جواب مؤلف مذکور کا یہ دعویٰ کہ آپ کا سایہ نہ ہونا جمہور مسلمانوں کا عقیدہ ہے بالکل بے بنیاد دعویٰ ہے۔ اس لیے کہ جب صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے ان صحیح احادیث کو چھوڑ کر جمہور مسلمان کب جعلی اور بے ثبوت روایات پر عقیدہ رکھ سکتے تھا۔ ہم نے تنقید متین میں مستدرک حاکم کی سند سے آپ کے سایہ کے ثبوت کی روایت نقل کر کے حاکمؒ اور ناقد فن رجال علامہ ذہبیؒ کی تصحیح بھی نقل کر دی ہے اور اسی طرح طبقات ابن سعدؒ مسند احمد اور مجمع الزوائد سے بھی روایت نقل کر کے اس کی سند کے رجال اور ان کی توثیق بھی وہیں بیان کر دی ہے۔

مجمع الزوائد کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

فرأت ظله فقالت ان هٰذا	کہ حضرت زینبؓ نے آپؐ کا سایہ دیکھا
الظل رجل وما يدخل على النبى	سو وہ فرمانے لگیں کہ یہ تو مرد کا سایہ ہے
صلى الله عليه وسلم فدخل	اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو میرے
النبى صلى الله عليه وسلم	پاس آتے نہیں اتنے میں آپؐ اندر
الحديث. (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۳)	داخل ہو گئے۔

امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ

رواہ احمد وفیہ سمیۃ	اس روایت کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے
روی لہا ابو داؤد وغیرہ	اور اس میں سُمَیّہؓ ہیں امام ابو داؤدؒ وغیرہ
ولم یضعفہا احد وبقیۃ	نے ان کی روایت لی ہے اور کسی نے ان
رجالہ ثقات (ج ۴ ص ۳۲۱)	کی تضعیف نہیں کی اور باقی راوی ثقہ ہیں

اور دوسری روایت کے مرکزی الفاظ یہ ہیں ۔

اذ رأت ظلہ قد اقبل الحدیث	اچانک انہوں نے آپ کے سایہ کو آتے
(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۳)	ہوئے دیکھا ۔

اور علامہ ہیثمیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ	اس کو طبرانیؒ نے (معجم) اوسط میں روایت
سمیۃ روی لہا ابو داؤد وغیرہ	کیا ہے اور اس میں سُمَیّہؓ ہے امام ابو داؤدؒ
ولم یجرحہا احد وبقیۃ	وغیرہ نے ان سے روایت لی ہے اور
رجالہ ثقات (ج ۴ ص ۳۲۳)	کسی نے ان پر جرح نہیں کی باقی سب
	راوی ثقہ ہیں ۔

جمہور مسلمین ان صحیح روایات کو کیسے ترک کر سکتے ہیں جب کہ ان کے مقابلہ میں کوئی صحیح حدیث بھی موجود نہیں ہے اور ان صحیح روایات کی تائید مجمع الزوائد کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو اوقات صلوات کے باب میں امامتِ جبرائیل کے عنوان سے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں ۔

ثم جاءنی فصلی بی العصر حین	پھر میرے حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے
کان فیئ مثلی الی قولہ ثم جاءنی	اور اس وقت مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب
من الغد فصلی الظہر حین کان	کہ میرا سایہ میرے قد کے برابر ہو گیا آگے
الفیئ مثلی ثم جاءنی فی العصر	فرمایا پھر دوسرے دن میرے پاس آئے

فصلی بی حین کان فی مثلی الحدیث رواہ البزار وفیہ عمر بن عبد الرحمٰن بن اسید بن عبد الرحمٰن بن زید بن الخطاب ذکرہ ابن ابی حاتم وقال سمع منہ ابو نعیم و وعبد اللہ بن نافع سمعت ابی یقول ذالک وشیخ البزار ابراھیم بن نصر لم اجد من ترجمہ وبقیۃ رجالہ موثقون۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۰۳)	تو مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سایہ میرے برابر ہو گیا، پھر میرے پاس عصر کے وقت آئے اور مجھے اس وقت نماز پڑھائی، جب کہ میرا سایہ میری دو مثل ہو گیا الحدیث اس کو محدث بزارؒ نے روایت کیا ہے اس کی سند میں عمرؒ بن عبد الرحمٰنؒ بن اُسیدؒ بن عبد الرحمٰنؒ بن زید بن الخطاب ہے۔ امام ابن ابی حاتمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ ان سے ابو نعیمؒ اور اور عبد اللہؒ بن نافعؒ نے سماعت کی ہے اور امام بزارؒ کے استاد ابراہیمؒ بن نصرؒ کا ترجمہ مجھے نہیں مل سکا اور باقی راوی ثقہ ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ پہلے دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو عصر کی نماز اُس وقت پڑھائی جب کہ آپ کا سایہ آپ کی قامت کے برابر تھا اور دوسرے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ آپ کا سایہ آپ کی قامت کے برابر تھا اور فرمایا کہ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام دوسرے دن ؐ آئے اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب کہ میرا سایہ دوگنا ہو گیا تھا اس صورت میں جب کہ کان فی مثلی پڑھیں جو اس سے قبل کی روایت کے مطابق ہے۔ وصلی العصر والفئ قامتان الحدیث مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۳۰۳ عن ابی سعید الخدریؓ مرفوعا رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر وفیہ ابن لھیعۃ وفیہ ضعف اور اگر یہ لفظ مثلی ہو تو سایہ قد مبارک کے برابر ہوگا، کچھ بھی ہو اس سے سایہ تو بہر حال ثابت ہے، ہم اس طویل علمی بحث میں یہاں نہیں پڑتے کہ آیا ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے جیسا کہ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کا مسلک ہے (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۹۱) اور انھوں نے اس مذکورہ

اور اس مضمون کی دیگر احادیث سے استدلال کیا ہے یا ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، جیسا کہ بقیہ حضرات ائمہ کرامؒ کا مسلک ہے اور وہ مسلم ج ۱ صفحہ ۲۲۳ کی روایت ووقت صلوٰۃ الظہر مالم تحضر العصر سے استدلال کرتے ہیں اور پہلی روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں وقت کی تعیین و تحدید مراد نہیں، بلکہ تقریب مراد ہے، یعنی پہلے دن کی عصر کا وقت دوسرے دن کی ظہر کے وقت کے قریب تھا نہ کہ بعینہٖ وہی تھا اور مسلم ج ۱ صفحہ ۲۲۳ کی روایت ثم اخر الظہر حتی کان قریباً من وقت العصر بالامس اس کی دلیل ہے۔ غرضیکہ فریق مخالف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ کی نفی پر جس قسم کی روایت سے استدلال کرتا ہے، اس سے بڑھ کر ثبوتِ سایہ کے لیے یہ روایت موجود ہے جسے ہم نے صرف تائید کے لیے پیش کیا ہے اور پہلے گذشتہ روایات اس کے علاوہ ہیں۔

جب قرآن کریم اور حدیث شریف سے آپ کی بشریت واضح الفاظ سے ثابت ہے اور صحیح احادیث سے آپ کا سایہ بھی ثابت ہے تو مؤلف مذکور کا یہ عذر لنگ کہ سایہ بشریت کثیفہ کا ہوتا ہے نہ کہ بشریت لطیفہ کا محض ایک ڈھکوسلہ ہے، کیونکہ آپ کی بشریت کا باوجود لطیف ہونے کے اور کالیاقوت فی الحجر ہونے کے صحیح حدیث کے موافق سایہ تھا، لہٰذا نص کے مقابلہ میں قیاس کی مطلقاً کوئی گنجائش اور سماعت نہیں ہو سکتی اور بے شک ظنیات کے باب میں دلائل ظنیہ کافی ہوتے ہیں، لیکن عقیدہ تو قطعی ہوتا ہے اور اس کے لیے دلیل ظنی کفایت کرتی ہے اور مؤلف مذکور اس کو عقیدہ کہتے ہیں، ہاں اگر کوئی مسئلہ اور نظریہ ظنی ہو تو اس کے لیے ظنی دلیل بھی کافی ہو سکتی ہے۔ علاوہ بریں یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ ثابت شدہ ظنی (خبر واحد صحیح) کی تو کوئی پرواہ نہ کی جائے اور بے ثبوت ظنی کو پلے باندھ لیا جائے۔ یہ کون سا انصاف ہے؟ غرضیکہ صحیح حدیث کی روشنی میں آپ کا سایہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے یہ دوسری بات ہے کہ کوئی ضدی اپنے تعصب اور ضد کو نہ چھوڑے اور یہی نہ مانوں اور لا انسلم کی رٹ ہی لگاتا رہے، جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کا یہ محبوب ولذیذ وطیرہ ہے تو اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے؟

رہی وہ روایت جو مؤلف مذکور نے نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو سورج میں دکھائی دیتا تھا اور نہ چاند میں تو تنقید متین میں اس پر باحوالہ بحث ہوچکی ہے کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن قیس زعفرانی راوی ہے جو کذاب اور وضاع ہے۔ ایسی روایت پر مدار رکھ کر شریعت کے کسی حکم کو کیسے رد کیا جاسکتا ہے؟ حیرت ہے کہ مؤلف مذکور حضرات ابن عباسؓ کی روایت کا جان چھڑانے کے لیے بار بار نام لیتے ہیں لیکن اس کی سند اور رجال اور ان کی کتب اسماء الرجال سے توثیق نقل کرنے سے قطعاً قاصر اور سراسر عاجز ہیں۔ ان کا علمی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ اپنے علمی بھلے اور بیماری سے اس روایت کی سند نکالیں اور روات کی توثیق کریں، ورنہ اس سے انہیں قطعاً کوئی فائدہ نہیں، اسی طرح ان کا بار بار علماء کی عبارات نقل کرنا کہ فلاں فرماتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا اور فلاں فرماتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا تو یہ بالکل بے سود ہے کیونکہ مثلاً انہوں نے اگر دس بزرگوں نے نام لے کر ان کی عبارات اس مضمون پر نقل کی ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ بجائے دس کے دس ہزار بزرگوں کی عبارات بھی پیش کر دیں تو اس سے کچھ نہیں بنتا، کیونکہ مسند مرفوع اور صحیح احادیث کے مقابلہ میں دس ہزار تو کیا دس لاکھ بلکہ دس ارب و کھرب حضرات کی بات بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ علمی قاعدہ تو یہ ہے کل احد یؤخذ عنہ ویترک الا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، باقی یہ دلائل کہ آپ کا سایہ اس لیے نہ تھا کہ آپ نور تھے اور شمس و قمر تو آپ کے نور سے مخلوق ہوئے ہیں، پھر آپ کے سبب سے ان کی روشنی کیونکر چھپ سکتی ہے اور اس لیے آپ کا سایہ نہ تھا تاکہ قدموں کے نیچے اور گندی جگہوں کے نیچے واقع ہونے سے محفوظ رہے اور یہ کہ سایہ تاریکی کو مستلزم ہے اور آپ تو نور منیر ہیں وغیرہ وغیرہ تو یہ سب بے وزن اور بے جان باتیں ہیں اولاً اس لیے کہ جب صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے، تو نص کے مقابلہ میں ایسی صوفیانہ یا عارفانہ خود ساختہ باتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ وثانیاً آپ جس معنیٰ میں نور ہیں، وہ معنوی نور ہے حسی نہیں تو معنوی نور پر حسی نور کے آثار مرتب کرنا نرا مجنونانہ فعل ہے وثالثاً فرع کا وہ مرتبہ نہیں ہوتا جو اصل کا ہوتا ہے آپ کا سایہ آپ کے نفس اطہر اور بدن مبارک کی فرع ہے اور یہ یقینی امر ہے کہ مکہ مکرمہ وغیرہا کی

سرزمین پر جگہوں اور راستوں میں جہاں آپ کے قدم مبارک پڑتے تھے، وہاں کسی نہ کسی کافر و مشرک کا قدم بھی پڑتا رہا اور ظاہر امر ہے کہ ان راستوں پر عام انسان تو کیا حیوانات بھی چلتے تھے پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کے سایہ کو جو آپ کی ذات بابرکات کی فرع ہے تو قدموں سے محفوظ رکھا گیا اور آپ کے بنفسِ نفیس قدم مبارک جہاں پڑتے رہے۔ ان جگہوں کو کافروں مشرکوں اور حیوانات کے قدموں سے محفوظ نہ رکھا گیا؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس خود ساختہ منطق کے رُو سے مناسب تو یہ تھا کہ آپ کا قدم مبارک ہی زمین پر نہ پڑتا تاکہ کسی کافر اور مشرک کا ناپاک قدم اس پر نہ پڑتا کیونکہ مشرک ناپاک ہیں انما المشرکون نجس اور اس معنوی نجاست سے بھی آپ کے قدم مبارک کو محفوظ رکھنا چاہیے تھا۔ اس لحاظ سے آپ کو چاہیے تھا کہ زمین پر قدم مبارک ہی نہ رکھتے یا ہمیشہ سواری پر اور پالکی میں سفر کیا کرتے والظاہر خلافہ اور یہ امر بھی ثابت ہے کہ آپ کی گردن مبارک پر مشرکوں نے اونٹ کی ناپاک جھلی بھی ڈالی جب کہ آپ المسجد الحرام میں کعبۃ اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ بخاری ج ۱ صـ۳۷ میں سلا جزور بنی فلاں کے الفاظ ہیں اور اس کے معنی جھلی کے ہوتے ہیں والظاہر انہا نجست (ماشن بخاری)۔

اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جوتیوں سمیت نماز پڑھا رہے تھے آپ کو آکر یہ خبر دی کہ آپ کی جوتیوں کے نیچے غلاظت لگی ہوئی ہے (ان جبرائیل اتانی فاخبرنی ان فیہما قذرا یہ روایت ابو داؤد ج ۱ صـ۹۵ مسند دارمی صـ۲۱۰ مترجم موارد الظمآن صـ۱۰۰ اور مستدرک حاکم ج ۱ صـ۲۶۰ میں موجود ہے قال الحاکم والذہبی صحیح علی شرط مسلم اور مشکوٰۃ ج ۱ صـ۷۳ میں بھی یہ روایت موجود ہے) ظاہر بات ہے کہ جوتیوں کے نیچے غلاظت تب ہی لگی تھی کہ آپ نے نجس جگہ پر گو بامر مجبوری یا لاعلمی ہی سہی پاؤں مبارک رکھے تھے عجیب بات ہے کہ پاؤں اور نعلین پلید جگہ پر پڑ جائیں تو کچھ حرج نہ ہو لیکن سایہ ایسی جگہ پر پڑے تو قابل انکار امر ہو؟ اسی طرح آپ کی بشریت کے اعلیٰ والطف ہونے سے نیز آپ کے نور یعنی روح کے پہلے پیدا ہونے اور اس کے پروردگار کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے اور آپ کے نور کے اصل اور باقی مخلوق کے فرع ہونے سے بھی مؤلف مذکور کو قطعاً کوئی

فائدہ نہیں کیونکہ صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے اور ان کے مقابلہ میں کوئی روایت سنداً ثابت ہی نہیں، پھر ایسی بے سند روایات کا کیا اعتبار؟ اور اگر ان کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس سے مؤلف مذکور کو کچھ فائدہ نہیں کیونکہ آپ کا نور یعنی روح مبارک اول خلق ہونے کی وجہ سے اصل ہے، مگر یہ معنوی نور ہے جس سے قلوب مؤمنین میں معرفت پیدا ہوتی ہے مگر جتنی نور کتنے بدبخت اور شقی القلب ہیں۔ وہ لوگ جو آپ کی صحیح احادیث کا انکار اور تاویلات کر کے آپ کے سایہ کی نفی کرتے ہیں اور غیر معصوم اقوال کو ترجیح دیتے ہیں۔

دلیل نمبر ۲) امام جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی سنہ ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ

اخرج الحکیم الترمذی من	حکیم ترمذی نے عبد الرحمٰن بن قیس الزعفرانی
طریق عبد الرحمٰن بن قیس	کے طریق سے عبد الملک بن ولید سے
الزعفرانی عن عبد الملک	اور انہوں نے ذکوان سے یہ روایت
بن عبد اللہ بن الولید عن	کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ	کا سایہ نہ تو سورج میں نظر آتا تھا اور
علیہ وسلم لم یکن یُرای	نہ چاند میں۔
له ظل فی شمس ولا قمر اھ	
(خصائص الکبریٰ ج۱ صفحہ ۶۸)	

اس روایت سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور جب سایہ نہ تھا تو (معاذ اللہ) آپ بشر بھی نہ تھے؟

الجواب یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔ اولاً اس لیے اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن قیس الزعفرانی نامی ایک راوی ہے۔ امام عبد الرحمٰنؒ بن مہدیؒ اس کو جھوٹا کہتے تھے اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث ضعیف ہے اور وہ محض ہیچ اور متروک الحدیث ہے۔ امام ابو زرعہؒ اس کو کذاب کہتے ہیں۔ امام مسلمؒ بن الحجاج فرماتے ہیں کہ وہ ذاہب الحدیث

ہے۔ امام ابو علیؒ فرماتے کہ وہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا (کان یضع الحدیث) امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے اور امام ساجیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف تھا (تاریخ بغداد جلد ۱۰ ص۲۵۱ و ص۲۵۲)

یہ تمام جرحی کلمات حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں نقل کیے ہیں اور یہ اضافہ کیا ہے کہ محدث ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی اکثر احادیث میں ثقات نے ان کی متابعت نہیں کی اور حاکم ابو احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ذاہب الحدیث ہے اور امام ابو نعیم اصبہانیؒ فرماتے ہیں وہ لاشیٔ ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص۲۵۹) وثانیاً حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ

ذکرہ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول عن عبد الرحمٰن بن قیس وھو مطعون عن عبد الملک بن عبد اللّٰہ بن الولید وھو مجھول عن ذکوان اھ	حکیم ترمذیؒ نے یہ روایت اپنی کتاب نوادر الاصول میں عبد الرحمٰن بن قیس کے طریق سے ذکر کی ہے اور عبد الرحمٰن مطعون ہے اور اس نے عبد الملک بن عبد اللہ بن الولید سے روایت کی ہے اور وہ مجہول ہے اور اس نے ذکوان سے روایت کی ہے۔ الخ

(شرح الشفاء جلد نمبر ۳ ص۲۸۲ طبع مصر)

تو اس کڑی میں کذاب اور وضاع راوی کے ساتھ ایک مجہول راوی بھی شریک ہو گیا ہے وثالثاً ذکوانؒ تابعی ہیں اور ان کی براہ راست جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت وسماعت نہیں ہے کوئی عملی اور فرعی مسئلہ ہوتا تو پھر معاملہ جدا تھا مگر بات عقیدہ کی ہے لہٰذا ان حالات میں نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں ایسی بے سروپا روایات کو کون تسلیم کرتا ہے؟ اور ان پر دین کی بنیاد کیونکر رکھی جا سکتی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود امام سیوطیؒ دوسرے مقام پر عبد الرحمٰن بن قیس الزعفرانی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کذاب وضاع (مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء ص۳) اور یہ روایت بھی نوادر الاصول کی ہے جس کے مصنف ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیمؒ (المتوفی ۲۵۵ھ) ہیں حضرت

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

نوادر الاصول اکثر احادیث غیر معتبر وارد   یعنی نوادر الاصول کی اکثر حدیثیں غیر

(البستان المحدثین صفحہ۵۲)   معتبر ہیں۔

اعتراض جہاں تک سایہ نہ ہونے کا مسئلہ ہے اہل سنت کے نزدیک مختار یہ ہے کہ آپ کا سایہ ثابت نہیں اور یہ ایک ظنی عقیدہ ہے جس کے اثبات کے لیے دلائل ظنیہ کافی ہیں لیکن مولوی سرفراز صاحب نے اس پر اہل سنت کی طرف سے جو یہ لطیفہ بنائی ہے کہ جب سایہ نہ تھا تو آپ بشر بھی نہ تھے یہ محض افتراء اور کذب خالص کی بدترین مثال ہے۔ اہل سنت کی کتابیں نبی علیہ السلام کی بشریت کے ثبوت و تحقیق کے ذکر سے بھری پڑی ہیں ہم پچھلے صفحات میں صدر الافاضل کا کلام نقل کر چکے ہیں۔ البتہ دیوبندیوں کی طرح نبی علیہ السلام کو عام بشریت کے مماثل ماننا اہل سنت کا عقیدہ نہیں ہم آپ کی بشریت کو بے مثل اور اوصاف و کمالات کے اعتبار سے ممتنع النظیر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، باقی رہا یہ امر کہ جب بشریت مان لی تو سایہ بھی ماننا ہوگا عناد اور جہل کے سوا کچھ نہیں کیونکہ آپ کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اوّلاً تو اس لیے کہ آپ کی ذات مقدسہ بشریت کے ساتھ ساتھ نورانیت بھی کامل ترین جامع ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ ثانیاً اس لیے کہ سایہ اس جگہ کی تاریکی کو کہتے ہیں جو کسی جسم کثیف کے نور کی راہ میں حائل ہونے کی وجہ سے واقع ہوا اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہے اور اس درجہ لطافت میں ہے کہ نور کے لیے حاجب نہیں ہو سکتی، حتیٰ کہ تاریک سایہ کی موجب ہو، سرفراز صاحب نے ذکوانؓ کی روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ قابل احتجاج نہیں۔ الجواب اوّلاً کسی ضعیف روایت کو عقیدۂ قطعیہ کے اثبات میں تو بے شک پیش نہیں کیا جا سکتا لیکن ظنی عقیدہ میں ظنی دلائل کافی ہوتے ہیں لہٰذا اس باب میں یقیناً اس روایت کا اعتبار کیا جائے گا۔ ثانیاً عقیدہ کا اثبات اور شئے ہے اور اس کی تائید امر آخر ہے نبی علیہ السلام کی نورانیت قرآن سے ثابت ہے اور نور کو سایہ نہ ہونا لازم ہے پس تائید کے درجہ میں اس روایت کا اعتبار کسی محدث کا حاصل نہیں بنا لنا آپ کا سایہ نہ

ہونا تمام امت کا تقریباً اتفاقی مسئلہ ہے اور تلقی بالقبول کو بھی ناقدین فن نے وجہ صحت سے شمار کیا ہے۔ والبتہ امام سیوطیؒ نے خصائص الکبریٰ میں اس حدیث کو ذکر کر کے اس کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے کہ ان کے نزدیک حدیث قابل تسلیم و احتجاج ہے اور فن حدیث میں امام سیوطیؒ کا جو مقام ہے وہ اپنے پرائے سب تسلیم کرتے ہیں۔ خاکم تشا اگر آپ کو اس حدیث سے خدائی بغض ہے تو چلیے یہ نسیم الوفاء سے جو روایت ہم ابن عباسؓ کی متصلاً پیش کر چکے ہیں اسے مان لیجیے اور اگر اس پر بھی تامل ہو تو تفسیر مدارک علی ہامش الخازن ج ۳ صفحہ ۳۲۱ پر حضرت عثمانؓ کی حدیث ہے، انھوں نے فرمایا کہ بلاریب اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر واقع نہیں کیا تاکہ کہیں کوئی شخص آپ کے سایہ پر اپنا قدم نہ رکھ دے۔ یہ کوئی ذکوانؒ کا قول نہیں ہے کہ آپ کہہ دیں اس کی براہ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت نہیں اور حدیث مرسل دیوبند کے حنفیوں میں مقبول نہیں، یہ حضرت عثمانؓ کا قول ہے جو سفر و حضر میں رسول اللہ کے جلیس تھے جن کے سر پر ما انا علیہ واصحابی کا تاج ہے ہاتھ میں اصحابی کالنجوم کا پرچم ہے ما تھے پر علیکم بسنتی کی جھومر ہے ایسے عظیم الشان صحابی کا قول جن کا قول بھی حدیث ہے اور پھر وہ بھی بارگاہ نبوی میں بیٹھ کر تقریر سے حکماً مرفوع ہو چکا ہے اور اگر حضرت عثمانؓ کو بھی آپ کے ہاں پذیرائی حاصل نہ ہو تو مولوی رشید احمد گنگوہیؒ سفینہ دیوبند کے ناخدا امداد السلوک ص ۸۵ میں لکھتے ہیں، تواتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام کا سایہ ہوتا ہے بحضرت عثمانؓ آپ کے ہاں مقبول نہ سہی ٹکسال دیوبند کا سکہ تو بہر حال آپ کے ہاں چلتا ہے۔ اب فرمائیے کیا خیال ہے۔ تواتر سے جو مسئلہ ثابت ہو وہ قطعی ہوتا ہے یا ظنی ؟ یہ کیسا صریح ظلم ہے کہ ہم اس مسئلہ کو اگر ظن کے درجہ میں مان لیں کافر مشرک اور بدعتی سے کم نہیں اور آپ کے پیر مغاں اسے تواتر سے ثابت اور یقین کے درجہ میں مانیں، پھر شیخ کے شیخ جو چیز شرک و بدعت ہو گنگوہی ٹھہرا سے کیسے توحید و سنت بنا دیتی ہے، وہ کون سا منتر ہے جس کے عمل سے آپ اپنے مولویوں کو شرک اور بدعت کے فتووں سے بچا لیتے ہیں، یہود اپنے احبار و رہبان کی عبادت چھوڑ چکے آپ کے ہاں یہ پوجا

کب بند ہوگی ؟ المواہب اللدنیہ شرح شمائل محمدیہ صفحہ ۳ پر ہے ابن المبارکؒ اور ابن جوزیؒ
کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۲۲۰ پر ہے۔ ابن المبارکؒ اور ابن جوزیؒ
نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا اور آپ کبھی دھوپ میں نہ کھڑے
ہوتے مگر سورج کی روشنی پر آپ کا نور غالب رہا۔ یہ ذکوانؓ کی طرح مرسل روایت نہیں بلکہ ابن عباسؓ
کی پیش کردہ حدیث متصل ہے اور روایت کرنے والے ہیں۔ ابن الجوزیؒ جیسے ناقد حدیث جو
اچھی بھلی حدیث کو موضوع بنا ڈالتے ہیں، پس ایسے کی روایت میں تردد کرنا عناد کے سوا کچھ نہیں
مولوی سرفراز صاحب کی خیانت اور گمراہ کن ذہنیت کا اندازہ اسی امر سے بآسانی کیا جا سکتا ہے
کہ انہوں نے اہل سنت کے مسلک کی دلیل حدیث ذکوان کو قرار دیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ کے
کمال نفی ظل پر اچھی طرح دل کا بخار نکال سکیں۔ عظمت رسول کریم کو کم کرنے کا انہوں نے اپنے
زعم میں خوب بہانہ تراشا، مگر اس سے غافل تھے کہ یہ رسوائی خود ان کا مقدر بن چکی ہے۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مداحوں کے دامن پر گندگی کا جو ہاتھ انہوں نے بڑھایا تھا وہ اپنی
تمام تر نجاستوں سمیت ان کی اپنی ذات کی طرف لوٹ آیا۔ قاضی عیاض مالکیؒ شفا شریف جلد ۱ صفحہ ۲۴۳
پر فرماتے ہیں اور وہ جو مذکور ہے کہ آپ کا چاند سورج میں سایہ نہ پڑتا تھا، پس وہ اس لیے
ہے کہ آپ نور ہیں۔ شہاب الدین خفاجیؒ نسیم الریاض جلد ۳ صفحہ ۳۱۹ میں اس کی شرح میں لکھتے ہیں یعنی
آپ کے جسم شریف لطیف کا سایہ نہ تھا اور لطیف کے لفظ میں لطیف اشارہ موجود ہے کہ آپ
کی بشریت کثافت سے منزہ ہو کر لطافت کے اس درجہ میں تھی کہ روشنی کے لیے حاجت نہ ہوتی
تھی، حتی کہ تاریک سایہ کا موجب ہوتی اسی بحث میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔ اس کو ابن جوزیؒ!
صاحب کتاب الوفا نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ ان تمام اکابر علماء نے
نفی ظل کی بناء حدیث ابن عباسؓ پر کی ہے، لیکن مولوی سرفراز صاحب نے اس متصل حدیث کو چھوڑ
کر اس مسئلہ کو حدیث ذکوان پر مبنی قرار دیا تاکہ اس روایت کے ضعف وارسال سے اصل مسئلہ میں
ضعف ثابت کر سکیں۔ اِنَّما بشر الخ قاضی عیاضؒ کے قول لانہ کان نوراً کی شرح میں ملا علی القاریؒ
شرح شفاء جلد ۱ صفحہ ۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں یعنی حضور نور ہدایت ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ

اس میں کثافت نہیں ہے اور جو مضمون لوادر میں وارد ہے اس سے بھی یہی مراد ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا نہ چاندنی میں اس کو حکیم ترمذیؒ نے بھی ابن سبعؒ سے نقل کیا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۲۱ میں فرماتے ہیں اور نور نبی علیہ السلام کے اسماء میں سے ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ نیز یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۱ میں تحریر فرماتے ہیں حضرت عثمانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا کہ کہیں نجس زمین پر نہ پڑے۔ شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی ص ۲۱ پ میں فرماتے ہیں اور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا انتہی باختصار یسیر۔ (توضیح البیان از ص ۲ تا ص ۱۲)

نوٹ: دیر یاد رہے کہ موکد۔ مذکور نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی جو دلیلیں اور حوالے ذکر کیے ہیں، یہ سب خان صاحب کی کتاب نفی الفئ وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔

الجواب: ہم بقدر امکان ترتیب سے جوابات عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) جب دلائل قطعیہ اور براہین ساطعہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت ثابت ہے اور احادیث صحیحہ صریحہ سے آپ کا سایہ بھی ثابت ہے تو اہل السنت والجماعت ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کیونکر یہ عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا اور یہ اہل السنت کا مختار کیسے ہو سکتا ہے؟ البتہ اہل بدعت کا عقیدہ یہ ضرور ہے اور انہی کے لیے یہ مناسب بھی ہے۔ کیونکہ حق اور صحیح دلائل کے ساتھ ان ہی کا خدا واسطے کا بیر ہوا کرتا ہے اور وہی ایسا عقیدہ رکھ سکتے ہیں۔

(۲) عقائد تمام قطعی ہوتے ہیں اور ان کے لیے دلائل بھی قطعی درکار ہوتے ہیں کسی مسئلہ یا نظریہ یا کسی جزئیہ کو عقیدہ سے تعبیر کرنا معروف اصطلاح کے خلاف ہے۔ اس لیے ایسی خانہ ساز اصطلاحات سے حقیقت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

(۳) بے شک اہل بدعت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر ماننے والے بھی موجود ہیں مگر ان میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے مخلوق تسلیم کرنے والے بھی ہیں اور اسی کو وہ نام نہاد اہل السنت والجماعت کا عقیدہ بتاتے ہیں، جیسا کہ پہلے باحوالہ یہ بات عرض کی جا چکی ہے تو

پھر اس کو محض افتراء اور کذب خالص کی بدترین مثال قرار دینا اپنی خالص جہالت کا یا اپنی ہٹ دھرمی کا ثبوت دینا ہے۔ البتہ مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ دیوبندی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کو عام بشریت کے مماثل مانتے ہیں اور ہم آپ کی بشریت کو بے مثل اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے ممتنع النظیر مانتے ہیں یہ نرا دجل و تلبیس ہے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فضائل و مزایا اور اوصاف و کمالات وغیرہا میں آپ کی ذات سب سے افضل ہے اور آپ افضل البشر ہیں۔ ان خوبیوں میں آپ کا کوئی مثیل اور نظیر نہیں، لیکن نفس بشریت اور لوازم بشریت جن میں سایہ ہونا بھی دلائل سے ثابت ہے اس میں آپ قرآن کریم کی قطعی آیات کے حکم سے اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ہیں اس میں ایک رتی کا شک نہیں ہے باقی ممتنع النظیر کا جملہ بحث طلب ہے۔ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ نہ تو آپ کی مثل اور نظیر آج تک پیدا ہوئی اور نہ تا قیامت پیدا ہو گی تو ہمارا اس پہ صاد ہے اور اسی معنی میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ ؎

رُخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

اور اگر مراد یہ ہے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ کی مثل اور نظیر پیدا کرنا چاہیے تو اس کو اس پر قدرت ہی حاصل نہ ہو، یہ اہل بدعت کا عقیدہ تو ہے، لیکن اہل السنت کا نہیں، کیونکہ وہ اس پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

(۴) جب آپ کی بشریت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ ذات اور جنس آپ کی بشر ہے اور خود مؤلف مذکور بھی جنس کے لحاظ سے آپ کو بشر تسلیم کر چکے ہیں اور کرتے ہیں اور نور آپ کی صفت ہے تو سایہ کا آپ کے لیے ہونا نقلاً و عقلاً ثابت ہے کیونکہ یہ بشریت کے لوازم میں سے ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اس کا انکار عناد و دجل کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۵) آپ کا جسم مبارک اپنی ظاہری اور باطنی جسمانی اور روحانی خوبی اور کمال کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ لطیف ہی تھا بلکہ الطف بھی تھا، لیکن آپ کا جسم اطہر بایں ہمہ ایسا نہ تھا جو کسی کو نظر نہ آتا جیسا کہ فرشتوں اور جنات کے وجود کہ وہ عموماً نظر نہیں آتے۔ جب آپ کا جسم مبارک کسی

تھا اور ہر ایک کو ہر وقت نظر آسکتا تھا اور آتا تھا تو ایسے جسم کے لیے سایہ کا ہونا کون سی بعید بات ہے۔

(۶) عقیدہ قطعی ہوتا ہے ظنی نہیں ہوتا ہے اور قطعیات میں ظنیات کا قطعاً کوئی دخل نہیں شرح العقائد صلا میں ہے ولا عبرۃ بالظن فی باب الاعتقادیات یعنی اعتقادی امور میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں ذکوان کی روایت سے سایہ کی نفی کر کے بالواسطہ آپ کی قطعی طور پر ثابت شدہ بشریت کا انکار ہو رہا ہے اور اس میں وضاع قسم کے راوی بھی موجود ہیں، لہٰذا اس کا کیا اعتبار ہے؟ اس لیے یہ روایت قطعاً اور یقیناً مردود ہے دلائل کی مدد میں اس کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں یہ بات اہل بدعت ہی کو زیبا ہے کہ وہ ایسی موضوع روایات کا اعتبار کر کے اپنے دل ماؤف کو بہلا لیں اور وہ اکثر ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ ان کا مزاج اور مبلغ علم ہی یہ ہے ؎

دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

(۷) آپ کا یہ عقیدہ کہ آپ کا سایہ نہیں کس قطعی دلیل سے ثابت ہے جس کی تائید کے لیے آپ اس موضوع اور بالکل بے بنیاد روایت کا سہارا لے رہے ہیں، پہلے تو آپ وہ قطعی دلیل علمی تھیلے سے نکالیں، پھر اس موضوع روایت کو اس کی تائید میں پیش کریں۔ قرآن کریم سے اور وہ بھی صرف ایک تفسیر اور احتمال کے لحاظ سے نہ کہ قطعیت سے آپ کی جو نورانیت ثابت ہے، وہ صرف وصف کے لحاظ سے ہے نہ کہ ذات اور جنس کے لحاظ سے اور بشریت آپ کی قطعی طور پر ثابت ہے جس کے لیے سایہ ہونا لازم ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت بھی ہے، لہٰذا ایسی موہوم و مفروض دلیل کی تائید میں جعلی روایت سے۔ تائید تلاش کرنا جہالت کا پلندہ ہے۔

(۸) تمام امت کا تقریباً اتفاق آپ کے سایہ ہونے پر ہے نہ کہ نہ ہونے پر (چند بزرگوں کا نام تمام امت نہیں ہے، کیونکہ تمام امت آپ کو بشر تسلیم کرتی ہے اور بشر کے لیے سایہ لازم ذات ہے اور تمام امت صحیح احادیث کو بھی تسلیم کرتی ہے اور صحیح احادیث سے بھی آپ کا سایہ ثابت ہے۔ کیا مؤلف مذکور کے نزدیک قرآن و حدیث سے ثابت شدہ کسی فیصلہ کے خلاف بھی کبھی اجماع ہوا ہے یا ہو سکتا ہے؟ بلا شک تلقی بالقبول بھی حضرات محدثین کرام کے ہاں قابل

اعتبار ہے، لیکن صرف ضعیف حدیثوں میں نہ کہ نری جعلی اور موضوع حدیثوں میں اور یہاں تو تعلق بھی نہیں، بلکہ اس روایت کی پُرزور تردید کی گئی۔

(۹) بلاشبہ حضرت امام سیوطیؒ وسیع النظر اور بڑے عالم گزرے ہیں، لیکن نہ تو وہ ائمہ جرح و تعدیل میں شمار ہیں اور نہ انہوں نے کتاب خصائص الکبریٰ (وغیرہ) میں صحت کا التزام کیا ہے خصائص الکبریٰ میں موضوع اور جعلی روایات کی بھرمار ہے، لہٰذا ان کا اپنی کتاب میں کسی روایت کا ذکر کر دینا کسی طرح حدیث کی صحت اور ثبوت کو مستلزم نہیں ہے اپنے پرائے ان کا مقام صرف وسعت نظر میں تسلیم کرتے ہیں نہ کہ حدیث کی تصحیح اور تحسین میں کیونکہ یہ ان کا مقام ہی نہیں ہے ہاں اگر کسی روایت کی باقاعدہ سند موجود ہو اور اس کے جملہ رواۃ ثقہ ہوں اور وہ اس کی تصحیح و تحسین کریں اور دوسرے حضرات محدثین کرامؒ بھی اس حدیث کو صحیح یا حسن کہتے ہوں، تو پھر معاملہ جدا ہے۔

امام سیوطیؒ نے خود اپنی کتاب الجامع الکبیر میں حدیث کی صحت وضعف کا ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ مؤلف مذکور اور ان کے حواریوں کو وہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ وہ فرماتے ہیں۔

	كل ما عزي الى العقيلي وابن
کہ جو حدیث عقیلیؒ ابن عدیؒ خطیب بغدادیؒ	عدي والخطيب البغدادي وابن
ابن عساکرؒ یا حکیم ترمذیؒ وغیرہ کی طرف	عساكر والحكيم الترمذي
نسبت کی جائے اور ان کے علاوہ ایک	وذكر جماعة غيرهم فهو
اور جماعت کا ذکر بھی کیا تو ان کی طرف	ضعيف فيستغني بالعزو اليها اى
نسبت ہی حدیث کے ضعیف ہونے کے	الى كتبهم عن بيان ضعفه انتهى
لیے کافی ہے اس حدیث کے الگ ضعف	بلفظه۔ (هامش المراج في المزاج
بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔	صـ۵ للعلامة بدر الدين ابي
	البركات الغزيؒ المتوفى
	سنہ ۹۸۴ھ)

اور ذکوان کی یہ روایت بطریق عبدالرحمٰن بن قیس الزعفرانی انھوں نے خصائص الکبریٰ ج۲ ص۸۱ میں حکیم ترمذی کی طرف نسبت کی ہے اخرج الحکیم الترمذی الخ ذکوان کے نزدیک اس کے ضعیف ہونے میں کیا شک ہے ؟

علامہ سید سلیمان ندوی (المتوفی ۱۳۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطیؒ کی خصائص الکبریٰ جو حیدر آباد دکن میں چھپ گئی ہے معجزات کے موضوع پر سب سے زیادہ مبسوط ہے اور جامع تالیف ہے۔ علامہ ممدوح نے الیٰ قولہ قوی و ضعیف اور صحیح و غلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگا دیا اھ (سیرت النبی ج ۳ ص۴۲۵ طبع لاہور)

(۱۰) مؤلف مذکور نے الوفا کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے اور جسے وہ متصل قرار دے کر بجبر منوانا چاہتے ہیں سوال یہ ہے کہ اس حدیث کی سند کیا ہے ؟ اس کے راوی کون ہیں ؟ ان کی توثیق کتب اسماء الرجال سے درکار ہے۔ سینہ زوری سے کسی روایت کو بلا کسی ثبوت کے متصل قرار دے کر منوانا دجل نہیں تو اور کیا ہے ؟ اسی طرح مدارک کے حوالہ سے حضرت عثمانؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس کی سند کہاں اور کیسی ہے ؟ بلا شبہ حضرت عثمانؓ کا قول بھی خلیفہ راشد ہونے کی وجہ سے شرا دز نی ہے بشرطیکہ اس کی صحت ثابت ہو اور اس روایت کے رواۃ اور سند کا کچھ پتہ نہیں اور کتب تفاسیر میں ہر قسم کی رطب و یابس روایات نقل ہوتی چلی آرہی ہیں۔ لہذا کسی تفسیر میں ایسی بے سر و پا روایات کا موجود ہونا ان کی صحت کی ہرگز دلیل نہیں ہے غرضیکہ مذکورہ روایت سنداً صحیح ہے اور نہ اس کا اعتبار ہے حکماً تو یہ تب مرفوع قرار پاتی جب سنداً صحیح ہوتی، جب اس کی سند ہی صحیح نہیں بلکہ پتہ ہی نہیں کہ اس کی سند کیا ہے تو اس کو دھینگا مشتی مرفوع قرار دے کر منوانے کا کیا مطلب ؟ اور اس طرح مانتا کون ہے ؟

مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ حدیث مرسل دیوبند کے حنفیوں میں مقبول نہیں ہوتی۔ ایک خالص جاہلانہ دعویٰ ہے علماء دیوبند کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہے بشرطیکہ اس کی سند صحیح ہو اور اس کے مقابلہ میں کوئی صحیح اور حسن متصل حدیث موجود نہ ہو اور اس حدیث کی یہ پوزیشن نہیں

کیونکہ ایک تو اس روایت میں جو ذکوان کے طریق سے مروی ہے کذاب اور وضاع راوی موجود ہے جس کی حیثیت پرکاہ کی بھی نہیں ہے اور دوسرے اس کے مقابلہ میں آپ کے سایہ کے ثبوت کی صحیح احادیث موجود ہیں پھر اس کا کیا اعتبار ہے ؟

(۱۱) چونکہ مسند احمد۔ مستدرک۔ مجمع الزوائد اور طبقات ابن سعد وغیرہ کتابیں حضرت گنگوہیؒ کے زمانہ میں کمیاب تھیں اور ان میں درج شدہ سایہ کی روایات ان کے پیش نظر نہ تھیں اور بعض کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا ذکر موجود ہے اور رُوی وغیرہ کے الفاظ سے اس کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس لیے بنا پر شہرت کے اس کو امداد السلوک میں متواتر احادیث سے تعبیر کیا گیا ہے اور پھر وہ جس معنیٰ میں آپ کو نور کہتے اور تسلیم کرتے ہیں وہ اس معنیٰ میں آپ کے پیروکاروں کو بھی نور تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی بشریت کا صاف طور پر اقرار کرتے ہیں اور آپ کو انسان مانتے ہیں ہاں تزکیہ نفس کی وجہ سے الائش اور کدورت کے سایہ سے آپ کو منزہ مانتے ہیں۔ چنانچہ وہ فتاوی رشیدیہ (ج ۱ صہ ۱۲ طبع جید برقی پریس دہلی) میں اس سوال کے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کس بات میں مثل ہیں الخ جواب میں لکھتے ہیں۔

الجواب نفس بشر ہونے میں مساوات ہے اگرچہ آپ کی بشریت ازکیٰ و اطیب ہے الخ اور امداد السلوک میں فرماتے ہیں، چنانچہ حق تعالیٰ صریحاً فرماتے ہیں کہ تحقیق سے وہ کامیاب ہو گیا جس نے تزکیہ نفس کر لیا یعنی اس نے مجاہدہ کی تلوار اور ہوائے نفسانی کی نجاست سے الائش اور کدورت کو ختم کر دیا اسی لیے حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں کہ تحقیق آئے ہیں۔ تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور کتاب مبین نور سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں شاہد مبشر، نذیر۔ داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے۔ منیر روشن کرنے والے اور روشنی دینے والے کو کہتے ہیں اگر انسانوں سے کسی کو روشن کرنا محال ہوتا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات میسر نہ ہو سکتی کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے

ہیں مگر آپ نے اپنی ذات پاک کو ایسا پاکیزہ کیا کہ خالص نور ہو گئے اور حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور فرما دیا اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور یہ واضح ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے اپنے پیروکاروں کا ایسا تصفیہ فرمایا کہ وہ بھی نور ہو گئے جیسے کہ ان کی حکایات اور خرق عادات سے کتابیں بھری پڑی ہیں اور ایسی مشہور ہیں کہ انہیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے نبی پر ایمان لاتے ہیں ان کا نور ان کے آگے پیچھے بھاگتا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اس دن کو یاد کرو جب کہ اہل ایمان کا نور ان کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہوگا اور منافق کہیں گے کہ ہمیں بھی اس نور سے کچھ دو۔ ان دونوں آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اتباع شریعت سے ایمان اور نور دونوں حاصل ہو جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور مومنوں کو میرے نور سے اور ارشاد فرمایا کہ اے اللہ میرے سمع، بصر، قلب میں نور کر دے، بلکہ فرمایا کہ مجھے سراپا نور کر دے پس اگر انسان کا نفس مصفّٰی ہونا محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ دعا نہ فرماتے اس لیے کہ محال چیزوں کے لیے دعا کرنا بالاتفاق ممنوع ہے۔ نیز حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کو نوری اسی لیے کہتے ہیں کہ آپ سے کئی بار نور دیکھا گیا اور بہت سے خواص و عوام نے صلحاء اور شہداء کے مقابر سے نور بلند ہوتا دیکھا ہے۔ یہ نور ان کے تزکیہ نفس کا ہے جب نفس کا کام بلند ہو جاتا ہے تو اس کا نور بدن میں سرایت کر جاتا ہے اور وہ ہوتے ہوتے بدن کی طبیعت اور مزاج ہی بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر نفس بدن سے جدا ہو جائے، پھر بھی وہ جسم انوار کا منبع اور مقعد بن جاتا ہے جس طرح زندگی کی حالت میں تھا۔ انتہی (امداد السلوک ص۱۵۱ و ص۱۵۲ طبع کتب خانہ شرف الرشید شاہ کوٹ) یہ طویل اقتباس ہم نے صرف اس لیے نقل کیا ہے کہ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جائے کہ جس معنی میں حضرت گنگوہیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو نور فرماتے ہیں، وہ حسی نور نہیں بلکہ معنوی نور ہے جو تزکیہ نفس، تصفیہ نفس کی پاکیزگی اور اتباع شریعت سے حاصل ہوتا ہے اور اس معنی میں سراپا نور ہو کر بھی

انسان، بشر، اور اولادِ آدم علیہ السلام ہی میں رہتا ہے۔ اس عبارت کے پیشِ نظر اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیروکاروں کا سایہ تھا اور یقیناً تھا تو آپ کا سایہ بھی ہونا چاہیے کیونکہ آپ کے پیروکار بھی بقول حضرت گنگوہیؒ سبھی نور ہو گئے تھے اور اس لحاظ سے سایہ سے مراد نفوس کی آلائش اور کدورت کا سایہ ہو سکتا ہے جو اتباعِ شریعت اور تزکیۂ نفس اور ذات کی پاکیزگی کی وجہ سے سب نوریوں پر عیاں ہوتا ہے ورنہ جن پیروکاروں کو وہ نور فرماتے ہیں۔ ان کے سایہ کی نفی کرنا پڑے گی، حالانکہ ایسا شاید مؤلف مذکور اور ان کے حواری بھی نہ کریں۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ کی نفی کرنے والوں کو نہ کافر و مشرک قرار دیا ہے اور نہ بدعتی کہا ہے، یہ مؤلف مذکور کے خبثِ باطن کا نتیجہ ہے کہ عوام الناس کو ہم سے متنفر کرنے کے لیے بے بنیاد اور غلط باتیں ہماری طرف منسوب کرتے ہیں الحمد للہ تعالیٰ کہ ہم لوگ نہ تو پہلے اپنے احبار و رہبان کی پوجا کرتے تھے اور نہ اب کرتے ہیں، یہ کمال صرف آپ لوگوں کا ہے کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ الآیۃ کا کوئی پہلو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور یہی آپ کا قیمتی سرمایہ ہے۔

(۱۲) مواہب لدنیہ، زرقانی، کتاب الوفاء، شفاء، نسیم الریاض، شرح شفا ملا علی القاریؒ، مدارج النبوۃ اور تفسیر عزیزی وغیرہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے جتنے حوالے نقل کیے گئے ہیں، ان کا جواب ہماری طرف سے یہی ہے کہ سایہ نہ ہونے کی روایت کچھ حضرات نے نقل کی اور اس کو معجزہ تصور کیا گیا اور دوسری طرف صحیح روایات پیشِ نظر نہ تھیں، لہٰذا جس روایت میں آپ کا سایہ نہ ہونے کا ذکر ہے اسی پر بنیاد رکھتے ہوئے ان بزرگوں نے ایسا لکھا ہے، حالانکہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں، بلکہ اس کے خلاف صحیح و صریح روایات موجود ہیں کما مر۔

ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ ہونے کی صحیح احادیث باحوالہ عرض کی ہیں اور مؤلف مذکور نے چند بزرگوں کے حوالے نقل کیے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا بجائے اس کے کہ ہم اس کے جواب میں متعدد حوالے نقل کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مؤلف مذکور ہی کا

جواب خود ان کی عبارات میں عرض کر دیں۔ ہم نے حکم الذکر بالجہر میں حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا اور تکبیر کہنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں تھا جواب حضرت امام شافعیؒ سے یہ نقل کیا تھا کہ یہ حدیث منسوخ ہے وان کا ارشاد روایات پر مبنی ہے اور دیگر حضرات ائمہ کرامؒ کی ان کو تائید بھی حاصل ہے اور وہ خود بھی مجتہد مطلق ہیں ؟ اس کا جواب مؤلف مذکور نے یہ دیا ہے۔

امام شافعیؒ تو بہت دور کی چیز ہیں، اگر حدیث رسول کے خلاف صحابیؓ بھی کوئی بات محض اپنی رائے سے کہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے مقابلہ میں ان کی رائے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا الی قولہ ممکن ہے آپ کے لیے امام شافعیؒ کی رائے کافی ہو لیکن ہم دامن رسالت کو چھوڑ کر کہاں جائیں ؟ اور جا بھی کہاں سکتے ہیں ؟ اھ (ذکر بالجہر طبع دوم صد ۱۲۱) نیز لکھتے ہیں۔ امام شافعیؒ کی شخصیت۔ ان کی علمی وسعت اور زہد و تقویٰ اپنی جگہ پر یہ تمام امور مسلم ہیں، لیکن جب وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث صحیح کے مخالف کوئی بات محض اپنی رائے سے پیش کریں گے تو شنوائی نہیں ہوگی اھ بلفظہٖ (صد ۱۲۱)

نیز تحریر کرتے ہیں کہ یاد رکھیے جب کوئی مسئلہ حدیث سے ثابت ہوا اور اس کے معارض اور مخالف کتاب و سنت میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو تو ایسی صورت میں اس حدیث پر عمل کرنا ہی صحیح دین ہے اور کوئی شخص اپنی جگہ پر کتنا ہی بڑا بزرگ اور عالم دین کیوں نہ ہو، لیکن جب وہ حدیث صریح کے خلاف کوئی بات محض اپنی رائے سے بلا دلیل کہتا ہو تو صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں اس کی ذاتی رائے کو چھوڑ دینا ہی ہدایت اور راہ استقامت ہے بعد کا کوئی شخص علم و فضل میں کتنا ہی فائق کیوں نہ ہو صحابہؓ سے نہیں بڑھ سکتا اور جب یہ اصول ہے کہ قول صحابی بھی اگر حدیث رسول کے معارض ہو تو حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے تو سوچیے جس حدیث کے خلاف صحابہؓ کی بات نہ سنی جاتی ہو تو ان کے علاوہ بعد میں کسی بزرگ یا ماوشما کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے ؟ بلفظہٖ (صد ۱۲۱)

قارئین کرام! ان بزرگوں کے حوالوں کا جو صحیح اور صریح احادیث کے مقابلہ میں ہیں اس

سے بہتر اور کیا جواب دیا جا سکتا ہے جو مؤلف مذکور نے خود دیا ہے وَكَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔

بلاشبہ علامہ ابن الجوزیؒ بڑے عالم اور محدث ہیں اور بعض اوقات صحیح اور حسن قسم کی روایات کو موضوع قرار دینے کی غلطی کرتے ہیں، مگر ان کی کتابوں میں بے سند اور بے اصل روایات پر سکوت کی کمی بھی نہیں، لہٰذا ان کا کسی روایت کو نقل کر دینا فنِ حدیث کے رُو سے کوئی دلیل اور حجت نہیں ہے۔

دلیل نمبر (۳) بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بادلوں کا سایہ ہر وقت رہتا تھا جس کی وجہ سے آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا (دیکھئے توضیح البیان ص۱۸۱ وص۱۸۲)

الجواب ناظرین کرام یہ بات بھی بالکل غلط ہے، چنانچہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ سخت دھوپ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض اوقات حضرات صحابہ کرامؓ سایہ کرتے تھے۔ اگر بادل کا سایہ ہر وقت آپ پر ہوتا تو اس کی ضرورت حضرات صحابہ کرامؓ کو پیش نہ آتی، چنانچہ بخاری شریف میں ہجرت کی طویل حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع ابوبکر صدیقؓ کے ربیع الاول کے مہینے میں سوموار کے دن قباء میں بنی عمرو بن عوف کے پاس فروکش ہوئے تو جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس چلے گئے۔

حتٰی اصابت الشمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل ابو بکرؓ حتی ظلل علیہ بردائہ فعرف الناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند ذلک الحدیث۔	یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سورج لگا تو حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور اپنی چادر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا تب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔

(بخاری شریف ص۵۵۵ ج۱)

اس صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کے اور سورج کے درمیان ہمیشہ ابر حائل نہیں ہوتا تھا ورنہ سورج کی گرمی سے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے حضرت ابوبکرؓ کو اپنی چادر سے سایہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

اعتراض | چنانچہ مولوی غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں۔ ذریت ولد بندیت کے معنوی جدِ امجد شاہ ولی اللہ انفاس العارفین صفحہ ۴۰ پر اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک رات نبی اکرم علیہ السلام نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو ملاقات سے مشرف فرمایا اور ازراہِ عنایت انہیں اپنے دو موئے مبارک بھی عنایت فرمائے ایک مرتبہ شاہ صاحب نے وہ بال دکھلائے اور تین شخصوں نے اس بات کا انکار کیا کہ وہ حضورؐ کے موئے مبارک ہیں اور بحث چل پڑی۔

چوں مناظرہ بامتداد انجامید آں عزیزاں ہر دو موئے در آفتاب بردند ہماں ساعت ابر پارہ ظاہر شد حال آنکہ آفتاب بسیار گرم بود و موسم ابر ہرگز نہ یکے توبہ کرد و دیگر گفتند قضیہ اتفاقیہ است۔ دیگر بار آوردند ابر پارہ ظاہر شد و دیگرے توبہ کرد سیمے گفت ایں نیز قضیہ اتفاقیہ است سہ بار بر آفتاب بردند دیگر بار ابر پارہ ظاہر شد سیمے نیز در مسالک تائباں منسلک گشت

جب مناظرہ طوالت کو پہنچا تو وہ لوگ ہر دو موئے مبارک کو دھوپ میں لے گئے اسی وقت ابر کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا حالانکہ اس وقت سورج خوب گرم تھا اور موسم ابر کا نہ تھا۔ تین میں سے ایک نے توبہ کرلی اور باقی دو کہنے لگے کہ اتفاقاً بادل آگیا ہوگا، دوسری مرتبہ لے گئے اور دوسری بار بادل آگیا۔ دوسرا بھی تائب ہوگیا لیکن تیسرے نے کہا ممکن ہے یہ بھی اتفاق ہو تیسری مرتبہ لے گئے تیسری بار ابر بھی ظاہر ہوا اور تیسرا منکر بھی تائب ہوا۔

تفسیر عزیزی پارہ نمبر تیس صفحہ ۲۱۹ پر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

وہمیشہ ابر در وقت تمازت گرما بر   اور ابر ہمیشہ گرمی کے وقت آپ کے اوپر

الیتان سایہ کی داشت۔ سایہ کرتا تھا۔

اس موضوع پر وسیع کلام کی گنجائش ہے ، لیکن چونکہ آپ کے ہاں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اسی لیے ان کے دو حوالے پیش کر دیے گئے ہیں اب ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے گا ، شاہ ولی اللہ اور تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز حضور کے لیے بادل کا سایہ مان کر شیعہ ہو گئے یا تاہنوز سنی رہے ۔ اگر وہ شیعہ ہو گئے ، تو آپ کا ان کی عبارتوں سے اندھا دھند استشہاد کیا ہے۔ اس کی کیا وقعت رہ گئی ۔ اگر وہ سنی رہے تو کیا آپ اپنے اس قول سے رجوع کریں گے کہ بادل کا سایہ کرنا شیعہ کا مسئلہ ہے۔

(توضیح البیان ص۱۸۶ تا ص۱۸۷)

مصیبت یہ ہے کہ مؤلف مذکور کو صحیح بات سمجھنے کا سلیقہ ہی حاصل نہیں ہے

الجواب ہم نے یہ نہیں کہا کہ بادل کا سایہ ماننے سے یا ہمیشہ بادل کا سایہ ماننے سے آدمی شیعہ ہو جاتا ہے ہم نے یہ کہا ہے کہ ہمیشہ بادل کے سایہ ہونے کا ثبوت نہیں ، بلکہ بخاری شریف کی روایت ہمیشگی کی نفی کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے سایہ نہ ہونے کی روایت جو الکافی میں ہے اس سے شیعہ عالم علامہ قزوینی بھی مطمئن نہیں اور وہ تاویل کرنے پر مجبور ہیں ۔ احیاناً بطور معجزہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل کے سایہ کے ہم منکر نہیں ہیں ، بلکہ اس کے قائل ہیں ، چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے۔

فرفعت رأسي فاذا انا بسحابة	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
قد اظلتني فنظرت فاذا	کہ میں نے سر اٹھایا تو میں نے بادل دیکھا
فيها جبرائيل الحديث	جس نے مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا میں نے دیکھا
(بخاری ج ۱ ص۴۵۸)	تو اس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے

مؤلف مذکور کا اخلاقی اور علمی فرض تھا کہ وہ اپنی ہماری طرف سے صحیح بخاری کی پیش کردہ حدیث کا صحیح جواب دیتے یا اس کا معقول محمل بیان کرتے ، مگر وہ ایسا نہ کر سکے جس سے ان کی درماندگی بالکل عیاں ہے ، ضرورت تو نہیں مگر ہم چند صحیح احادیث اور پیش کرتے ہیں جن

سے یہ بات واضح تر ہو جاتی ہے کہ آپؐ پر ہمیشہ بادل سایہ نہیں کرتا تھا۔

(۱) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ نجد میں شریک تھے۔ دوپہر کے وقت قیلولہ آگیا اور میدان میں بکثرت جھاڑیاں تھیں فنزل تحت شجرۃ واستظل بھا الحدیث (بخاری ج ۲ ص ۵۹۳) آپؐ ایک درخت کے نیچے اس کے سایہ میں آرام کے لیے اترے۔

(۲) ہجرت کی طویل حدیث میں حضرت ابوبکرؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ راستہ میں ہمیں ایک چٹان نظر آئی۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے۔

ولھا شیئٌ من ظل قال ففرشت	تو اس کا کچھ سایہ تھا میں نے وہاں کے
لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	سایہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
فروۃ الحدیث (بخاری ج ۱ ص ۵۱۵)	لیے پوستین بچھائی)

ظاہر ہے کہ اگر ہمیشہ بادل آپ پر سایہ کرتا تو چٹان کا سایہ تلاش کرنے کی اور اس کے سایہ میں آرام کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جعرانہ کے مقام میں تھے۔ آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی وعلیہ ثوب قد اُظِلَّ بہ الحدیث (بخاری ج ۱ ص ۲۱۰ و ج ۲ ص ۶۱۷) اور آپ پر کپڑے کا سایہ کیا ہوا تھا۔ یہ حدیث بھی اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ غرضیکہ صحیح بخاری کی یہ صریح روایات اس امر کو بالکل آشکارا کرتی ہیں کہ ہمیشہ آپ پر بادل سایہ نہیں کرتا تھا۔ اگر ہمیشہ آپ کے موئے مبارک کے لیے بادل منڈلا کر آگے تھے اور آسکتے ہیں تو جہاں آپ بنفس نفیس خود تشریف فرما تھے، وہاں بادل ہمیشہ کیوں نہ آتے اور حضرت ابوبکرؓ اور دیگر حضرات کو چادر اور کپڑا تان کر سورج کی تمازت اور حرارت سے آپ کو محفوظ رکھنے کی کیا ضرورت پیش آتی؟ اور کیوں آئی؟ صحیح احادیث کو ترک کرنا اور غیر معصوم حضرات کی بے سند باتوں اور اقوال وعبارات پر دین کے مسائل کی بنیاد رکھنا دین کی کون سی خدمت ہے؟ بلاشک ہم ان حضرات کی عبارات کو پیش کرتے ہیں لیکن صرف وہاں جہاں کسی مسئلہ پر قرآن وحدیث

سے روشنی نہ پڑتی ہو یا ان کی عبارات سے قرآن وحدیث کی مزید تفسیر اور تشریح ہوتی ہو۔ ہم نے قصداً وارادۃً ان کی عبارات کو قرآن وحدیث کے مقابلہ میں ہرگز نہیں پیش کیا اور نہ اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

علاوہ ازیں اگر بطور معجزہ وخرق عادت کے طور پر آپ کے موئے مبارک پر بادل کسی موقع پر آ گیا تھا، تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ یہ سایہ ہمیشہ رہتا تھا جب کہ مطلوب یہ ہے۔

بادل اور فرشتوں کے سایہ کرنے کی مزید روایات اور ان کے جوابات

ناظرین کرام جن دلائل سے غلام رسول سعیدی صاحب بریلوی نے استدلال کیے تھے۔ ان کے جوابات تو عرض کیے جا چکے ہیں ہم یہاں پر کچھ اور ایسی روایات نقل کرتے ہیں جن سے بادل اور فرشتوں کے سایہ کا ثبوت ملتا ہے اور پھر ان پر کچھ ضروری تنقید بھی عرض کرتے ہیں تاکہ عوام الناس بھی بخوبی اصل حقیقت سے آگاہ ہو سکیں۔

(۱) مستدرک ج ۲ ص ۶۱۶ اور سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۱ میں ایک طویل حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر میں تھے اور اونٹ چرا رہے تھے۔

وعلیہ غمامۃ تظلہ الحدیث " تو آپ پر بادل سایہ کیے ہوئے تھا۔

امام حاکمؒ جو تشیع کی طرف مائل تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۲۷) اس حدیث کو علیٰ شرط الشیخین صحیح کہتے ہیں لیکن نقاد فن حدیث امام اہل السنت والجماعت علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

قلت اظنہ موضوعاً فبعضہ ؛ میں کہتا ہوں کہ میں اس کو موضوع خیال باطل (تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۶۱۶) کرتا ہوں اور اس کا بعض حصہ تو بالکل باطل ہے۔

اور ابن ہشامؒ یہ روایت محمد بن اسحاق کے حوالہ سے نقل کر رہے ہیں اور محمد بن اسحاق کذاب اور دجال راوی تھا، لہٰذا ایسی روایت پر ان صحیح اور صریح احادیث کے مقابلہ میں کیسے اعتماد

کیا جا سکتا ہے جو امع الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح البخاری ہیں موجود ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔

علامہ قسطلانیؒ نے اور ان کی تائید میں علامہ زرقانیؒ نے بادل اور فرشتہ کے سایہ کرنے کی روایت اور چادر وغیرہ سے سایہ کرنے کی روایت میں یوں تطبیق دی ہے؛ چنانچہ پہلے علامہ قسطلانیؒ نے وہ روایت نقل کی ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ کے ہجرت کے سفر میں آپ پر سایہ کرنے کا ہم بخاری کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں؛ پھر ارشاد فرماتے ہیں۔

وظاهر هذا انه عليه الصلوٰة	کہ اس روایت سے بالکل عیاں ہے کہ
والسلام كانت تصيبه الشمس	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سورج
وما تقدم من تظليل الغمام	لگتا تھا اور جو روایتیں پہلے گزر چکی ہیں کہ
والملك كان قبل بعثته	کہ آپ پر بادل اور فرشتہ سایہ کرتا تھا تو
كما هو صريح في موضعه	وہ بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے جیسا کہ
فلا ينافي ما هنا (مواهب اللدنية	اپنی جگہ وہ صریح ہے۔ سو وہ اس کے منافی
مع شرح الزرقاني ج ۱ ص۳۰۴)	نہیں ہے۔

لیکن اس کاوش کی یہاں بالکل ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ تطبیق کی حاجت وہاں پیش آتی ہے، جہاں سند کے لحاظ سے دونوں حدیثیں صحیح ہوں اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ بخاری شریف کی روایات بالکل صحیح ہیں اور دوسری مدکی روایات میں ایک کو علامہ ذہبیؒ موضوع کہتے ہیں اور دوسری میں واقدی جیسا کذاب راوی موجود ہے اور تیسری میں محمد بن اسحاق جیسا کذاب اور دجال راوی موجود ہیں، تو اندریں حالات تطبیق کی قطعاً کوئی حاجت نہیں ہے اور بخاری شریف کی جس روایت سے بادل کا سایہ کرنا ثابت ہے، وہ بطور معجزہ صرف ایک مرتبہ ہی ہے نہ کہ ہمیشہ جب کہ نزاع اور اختلاف ہمیشہ کے سایہ میں ہے۔

(۲) جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حلیمہؓ کے پاس تھے، تو اس وقت آپ کی رضاعی بہن نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل سایہ کیے تھے۔ جدھر کو

آپ جاتے بادل بھی ساتھ چلتے، جہاں آپ رکتے بادل بھی رک جاتے (محصلہ طبقات ابن سعد ج۱ ص۸۰) لیکن اس کی سند میں واقدی ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ امام احمدؒ امام ابن المبارکؒ امام ابن نمیرؒ اور امام اسماعیلؒ بن زکریا سب نے اس سے روایت ترک کر دی تھی اور امام احمدؒ نے اس کو کذاب بھی کہا (تہذیب التہذیب ج۹ ص۳۶۴) امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کتب الواقدی کلہا کذب (الغیث ص۳۰۱) کہ واقدی کی کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ امام بندارؒ فرماتے کہ میں نے ان سے بڑا جھوٹا کوئی اور نہیں دیکھا اور امام اسحاقؒ بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ وہ میرے نزدیک جعلی حدیثیں بنایا کرتا ہے۔ (الغیث ص۳۰۱) اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ کذاب ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹی حدیثیں بنانے میں مشہور ہیں ان میں ایک واقدی بھی ہے (الغیث ص۳۰۲)

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کے سفر پر نکلے تو میسرہ نے دیکھا کہ وہ دوپہر کی سخت گرمی میں دو فرشتے آپ پر سایہ کیے ہوتے ہیں جب کہ آپ اپنے اونٹ پر سوار تھے (محصلہ دلائل النبوۃ لابی نعیم اصبہانیؒ ص۱۲۱) لیکن اس کی سند میں بھی وہی محمد بن عمر الواقدی ہے (دیکھیے دلائل النبوہ ص۱۲۱) جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

(۴) مواہب اللدنیہ مع شرح الزرقانی ج۱ ص۱۹۹ و خصائص الکبریٰ ج۱ ص۹۱ للسیوطیؒ وغیرہ میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اونٹ پر سوار دیکھا اور نیز دیکھا کہ آپ پر دو فرشتے سایہ کیے ہوتے ہیں (محصلہ) امام سیوطیؒ اس کو ابو نعیمؒ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں اور دلائل النبوۃ ابو نعیمؒ کی سند میں الواقدی ہے اور علامہ زرقانیؒ اس واقعہ کے شروع میں فرماتے ہیں کما رواہ الواقدی الخ (شرح مواہب للزرقانی ج۱ ص۱۹۹) تو اس لحاظ سے اس سند کا مدار بھی واقدی پر ہے۔

یہ روایت طبقات ابن سعد اور ابن عساکر (وغیرہ) میں بھی ہے، لیکن ان تمام کی سند میں واقدی ہے (سیرت النبیؐ ج۳ ص۲۹۵ از سید سلیمان ندویؒ) الغرض ہمیشہ بادل یا فرشتوں کے سایہ کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ صحیح روایت صرف وہی ہے جو بخاری شریف کے حوالہ سے

پہلے عرض کی جا چکی ہے جس کا وقوع صرف ایک ہی دفعہ ہوا تھا، اور وہ بھی آپ کے معجزہ کے طور پر اب فیصلہ خود قارئین کرام کریں کہ کیا ان صحیح احادیث پر اعتماد کرنا جن سے صراحت کے ساتھ آپ کا سایہ ثابت ہے مذہب اسلام کی روح کے مطابق ہے ؟ یا کذاب اور وضاع راوی کی روایت اور اسی طرح کی دیگر بے سروپا روایات کو جبکہ واضح طور پر ان کی اسانید بھی سامنے آجائیں، لینا دین کی خدمت اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے ؟ اور نیز یہ کہ کیا بخاری شریف کی صحیح روایات جن سے آپ پر چٹان درخت اور کپڑے کا سایہ کرنا صراحۃً ثابت ہے۔ قابل اعتبار ہیں ؟ یا فرشتوں یا بادل کے آپ پر ہمیشہ سایہ کرنے کی بے اصل اور واقدی جیسے کذاب اور وضاع کی بے حقیقت روایات قابل اخذ ہیں ؟ کیا ان کو لینا اس کا مصداق نہیں کہ ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی یہ امت روایات میں کھو گئی

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ واصحابہ وازواجہ ومتبعیہ الی یوم الدین وسلم

احقر محمد فیاض خان سواتی

مدرسہ نصرت العلوم

۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

تبرید النواظر
فی
تحقیق الحاضر والناظر
یعنی - آنکھوں کی ٹھنڈک

مصنف شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد سرفراز خان صاحب صفدر مہتمم مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ (پاکستان) (فاضل دارالعلوم دیوبند)

ایسی کتاب جس میں بڑی تحقیق انتہائی جستجو اور عرق ریزی کے بعد قرآن کریم احادیث صحیحہ اور حضرات فقہاء احناف کے صریح قولوں سے یہ مسئلہ واضح کیا گیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام ہر جگہ حاضر و ناظر اور عالم الغیب نہیں ہیں اور فریق مخالف کے دلائل کے مسکت اور دنداں شکن جوابات دیئے گئے ہیں۔

تحقیق مسئلہ مختار کل

الموسوم بہ

دل کا سرور

مصنف: شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر

اس کتاب میں قرآن کریم، احادیث صحیحہ، عقائد صحابہ رضی اللہ عنہ اور جمہور سلف و خلف سے ثابت کیا گیا ہے کہ تکوینی اور تشریعی طور پر عالم اور مختار کل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کسی دوسرے کو نہ ذاتی طور سے اختیار حاصل ہے اور نہ عطائی طور پر فریق مخالف نے جن آیات اور احادیث سے بزعم خویش استدلال کی کوشش کی ہے نہایت تحقیق اور جستجو کے ساتھ ان کے دنداں شکن جوابات تحریر کئے گئے ہیں۔

قیمت ۳۰/۰۰

چند ماہ میں ہی قبول عام حاصل کرنے والی شاہکار کتاب

خطب سهلة (جلد اول)

کا تیسرا ایڈیشن منظر عام پر

عربی زبان میں آسان تقریروں کا مجموعہ، سادہ وسلیس زبان، عام فہم و شگفتہ طرز بیان، جدید تعبیرات، عمدہ اسالیب اور رنگِ زندگی کو چھوتے ہوئے طرز ادا کا حسین امتزاج، عربی ادب کے طلبہ کے لئے انمول تحفہ، ہفتہ واری عربی پروگراموں میں حصہ لینے والے احباب کے لیے ایک گراں مایہ اور قابل قدر پیش کش، کتاب کی عبارتیں اور جملے بالا شبہ ان کے ذوق ادب کو جلا بخشیں گے۔

یہ مجموعہ ۲۳ اسلامی دینی و تاریخی موضوعات پر مشتمل تقاریر کا ایک بے بہا ذخیرہ ہے، اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ اس مجموعے سے اسلامی بنیادوں پر اعتماد مضبوط ہو، دینی جذبات کو فروغ ملے، ملی حمیت بیدار ہو اور ہمارے اندر اپنی عظمت رفتہ کو آواز دینے کا حوصلہ پیدا ہو۔ ان تقریروں میں آپ کو اسلام، اسلامی تاریخ اور سیرت رسول ﷺ اور آپ کے فدائیین سے والہانہ عشق و محبت کا جلوہ نظر آئیگا۔

یہ مجموعہ جہاں خطابی ادب کا بیش بہا نمونہ ہے، وہیں اسلام سے عشق و محبت کا نمائندہ بھی۔

(دلکش ٹائیٹل، عمدہ وصاف طباعت، ۱۲۸ صفحہ، قیمت: ۱۶ روپے)

دیوبند کے تمام کتب خانوں پر دستیاب

ناشر مکتبہ عکاظ دیوبند